دھوئیں کے غبارے

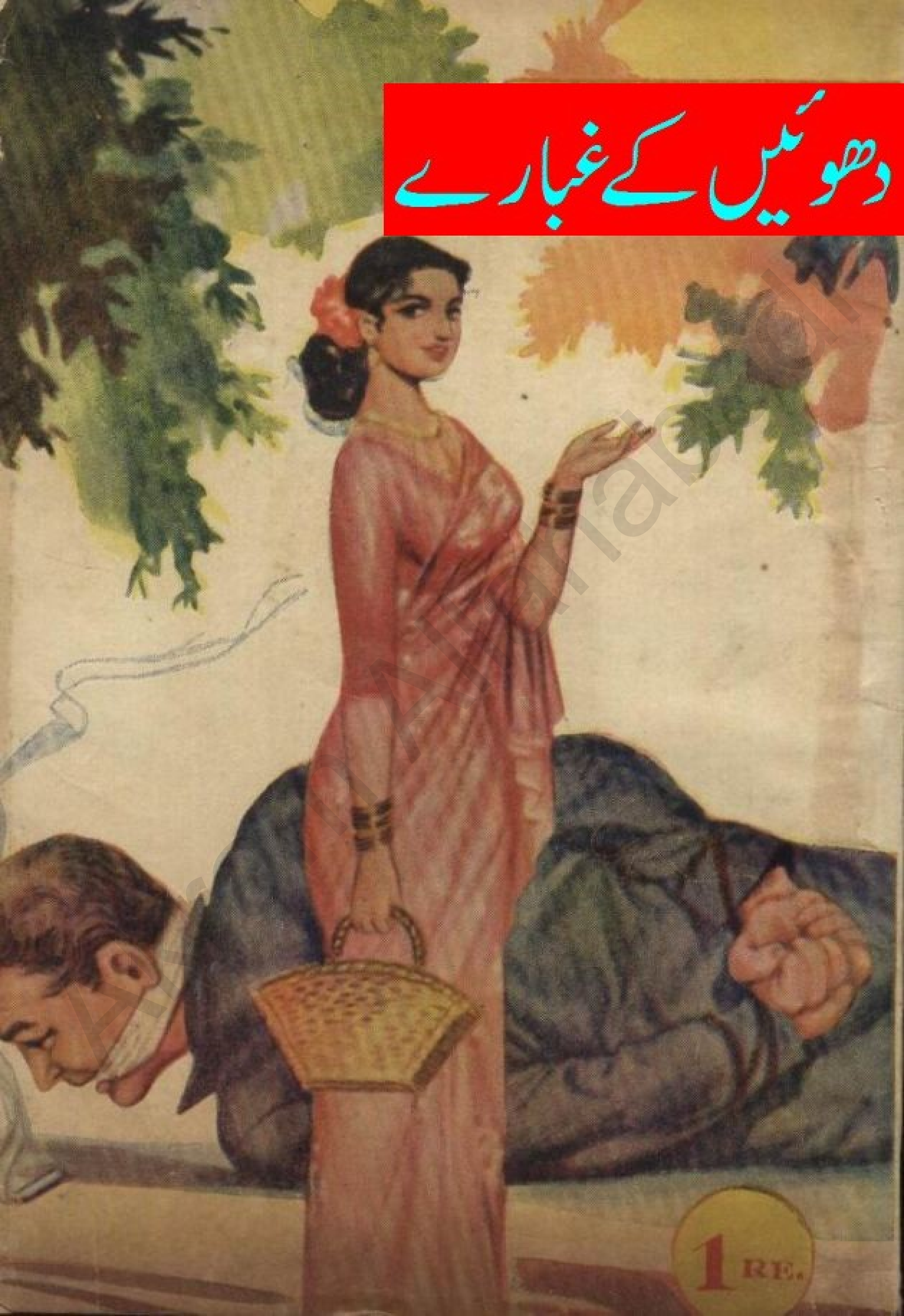

جاسوسی دائرہ سیریز

دھوئیں کے غبارے

اکرم الہ آبادی

فرحت پبلیکیشنز۔ ممبئی۔ انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔ اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔ جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر: ۔۔۔۔۔ ممبئی۔ انڈیا

جان پہچان

”یار لاّ قسم، یہ لڑکی نہیں ہے۔“

”پھر کیا تمہاری ہونے والی ساس ہے؟“

”ہشت، ساس اتّی جوان ہوتی ہے کہیں، ارے یہ تو کوئی پری تمثال ہے۔“

”اشارے قابو میں رکھو، وہ اسی طرف دیکھ رہی ہے۔“

”اے لو، یہی تو مرن ہے اپنی۔ یانی وہ جو کہا ہے کسی شاعر نے کہ،

اِلّا لگا پہلی نظر کا تیر رے...“

”یہ تو کسی فلم کا گانا ہے۔“

”اور لو، یانی کہ بس وئی ہو پورے۔ ارے شاعری گانا نہیں ہوتی تو اور کیا ہوتی ہے؟“

”خیر تم سے بحث کون کرے۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی نظر کا تیر دیکھا بھی ہے؟“

”کاۓ کو نہیں۔ یانی کہ بس آنکھ سے آنکھ ملائی اور وہ چلا۔“

”اچھا چلو میں ملاتا ہوں آنکھوں سے آنکھیں، دکھاؤ کیسے چلتا ہے؟“

”ہشت، تم کوئی لونڈیا ہو کیا۔ یہ تیر کمان تو سب ان کے ای پاس ہوتے ہیں۔“

شوکت نے کویا یالے کا مذاق اڑیا۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“

”ارے خاں، اب بتاؤ مت مجھے۔ سالے بکتے شاعروں سے تو سنا ہے کہ ان کے ابرو جیسے کمان اور نظر جیسے تیر ہوتے ہیں۔“

”کس کے، شاعروں کے؟“

"ہشت، شاعر چھیڑ خندو کیا تیز چلائیں گے، لڑکیوں کی بات ہو رئی ہے، لڑکیوں کی۔ یانی میوباؤں کی۔" شوکت نے بالے کو سمجھایا۔

"یو یوں بولونا۔ تم تو شاعروں کا نام لے رہے تھے۔"

"اے لو وہ اور بھی دیکھ رئی ہے۔" شوکت نے بالے کی توجہ اس گورے رنگ کی خوبصورت سی لڑکی کی طرف منعطف کرائی جو ان سے کچھ ہی فاصلے پر دو تین میزوں کے بعد ایک میز پر اکیلی بیٹھی تھی۔ اس نے شوخ سرخ رنگ کا فراک اور سفید غرارہ پہن رکھا تھا اور شیفون کا زرد دوپٹہ گلے میں پڑا تھا۔ اس کا گورا بدن اس سرخ و زرد لباس میں کھلا پڑ رہا تھا۔ شاید وہ کسی کی منتظر تھی، اسی لیے بار بار نظریں گھما کر چاروں طرف دیکھ لیتی تھی۔ شوکت سے اسی رواداری میں اس کی نظریں ٹکرا گئی تھیں۔ اس لیے اسے تیرِ نظر کا فلسفہ یاد آ گیا۔ بالے لاپرواہی سے اپنی نشست پر بیٹھا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی انگلیاں کبھی کبھی میز کی ٹاپ پر بینڈ بجانے لگتیں۔ مگر شوکت بے طرح اس چوکھٹے پر قربان ہوا جا رہا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ یہاں آئے ہوئے اگرچہ انھیں آج تین دن ہو گئے تھے، لیکن ہوٹل نیو مون میں انھیں ایک بھی پرکشش چہرہ ابھی تک دکھائی نہیں دیا تھا۔ جو تھے وہ یا تو بقول شوکت اترے ہوئے امرود تھے یا خالائیں اور نانیاں۔ خود بالے بھی اس تشنگی کو محسوس کیے بغیر نہ رہا تھا۔ بھلا وہ تفریح ہی کیا جس میں کسی حسین چوکھٹے کے درشن نہ ہوں۔ وہ فطرتاً حسن پرست واقع ہوئے تھے، لیکن جہاں تک کردار کا تعلق تھا، وہ کبھی اس حد تک نہ بڑھتے کہ انھیں آوارگی یا بدچلنی کا الزام دیا جا سکے۔ ان کا فلسفہ تو یہ تھا کہ خدا نے روئے زمین پر ہر خوبصورت چیز اس لیے پیدا کی ہے کہ اسے جی بھر کر دیکھا جائے اور دیکھ دیکھ کر اسے بنانے والے کی تعریف کی جائے اور یہ بھی سچ ہے کہ کسی چیز کی خوبصورتی اسی وقت خوبصورتی کی تعریف حاصل کرتی ہے یا دوسرے لفظوں میں وہی چیز خوبصورت ہے جس کی کوئی تعریف کر دے، چاہے دل میں چاہے زبان پر۔ بہرحال نہ وہ کوئی معلمِ اخلاق تھے نہ تارک الدنیا یا صوفی و سخت قسم کے لوگ۔ ان کا صرف ایک مسلک تھا اور وہ یہ

کہ زندگی ہنستے کھیلتے گزاری جائے۔

وہ لڑکی اب تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ شاید اس کی اس توجہ کی وجہ شوکت کی حماقتیں ہی تھیں۔ اس وقت جب شوکت کی نظر کسی خوبرو لڑکی سے مل جائے، اس کے چہرے پر جو خادمیت اور خاکساری برسنے لگتی تھی۔ وہ خواہ مخواہ دوسرے کو ہنس پڑنے یا کم از کم مسکرا دینے پر مجبور کر دیتی اور اگر وہ کوئی مغرور ٹائپ کی لڑکی یا عورت ہوتی تو پھر شوکت کو جواب خشمگیں نظروں یا کبھی مہذب قسم کی گالیوں سے ملتا۔

نہ جانے بالے کو اس کے خدوخال کچھ پہچانے سے نظر آئے، لیکن اس وقت کوشش کے باوجود اسے یاد نہ آسکا کہ وہ کون ہو سکتی ہے یا اس نے اسے کہاں دیکھا ہے۔

"ڈیئر سکھٹ، میں نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"تم تو سب ہی لڑکیوں کو کہیں نہ کہیں دیکھے ہوئے ہو، اونہہ۔ مان نہ مان میری ٹانگ گھسی۔" محاورے کی اس درگت پر بالے کو ہنسی آ گئی، لیکن اس نے نظریں پھر بھی اس لڑکی کی طرف سے نہیں ہٹائیں۔ شوکت سے اس کی یہ حرکت نہ برداشت ہو سکی۔ نہ جانے کیوں وہ جس لڑکی کو پہلے دیکھ لیتا اس کے لیے یہ گوارا نہ کر سکتا تھا کہ کوئی اور بھی اسے اتنی دلچسپی سے دیکھے۔ فطری خود غرضی ہی سہی، مگر اس میں بھی اس کی معصومیت کو دخل تھا اور بعض اوقات تو اس کی ضدیں بچوں کی سی ہو جاتی تھیں۔

"اب تم کاہے کو گھور کر کھائے جا رہے ہو بیچاری کو؟" اس نے بالے کو کہنی مار دی۔

"میں تو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"ارے ہاں، بہوت کی... یہ مجیں کہتے کہ رال ٹپک رئی ہے۔"

"میں کیا تمہاری بچہ ہوں۔"

"اہاہا، تو میں بچہ ہوں۔ میاں خاں، شادی کر لیتا تو تمہاری برابر برابر تو میرے ایک درجن بچے ہوتے۔"

"تو سب ایک ساتھ ہی پیدا ہوئے ہوتے۔"

"ہاں جاؤ ہوتے، تمھیں کیا۔ اپن یہاں تفریح کرنے آئے ہیں، لڑائی جھگڑے کرنے نہیں۔"

"اچھا تم اس لڑکی سے دوستی کرنے کی کوشش کرو، میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"نہیں میاں، اپنے سر میں فالتو بال نہیں ہیں۔"

"بزدل ہو۔ دیکھو میں خود کر کے دکھاتا ہوں اس سے دوستی۔"

"تمھیں کیا ضرورت؟ یانی کہ تلاش میری اور نام آپ کا۔"

"نہیں ڈیئر، لڑکی کام کی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب پھر بتاؤں گا۔" بالے یہ کہہ کر اٹھنے لگا۔

"نہیں پہلے بتاؤ۔ میں یہاں کام وام کے لیے نہیں آیا ہوں، تفریح کرنے آیا ہوں۔"

"تمہاری لڑکی ایسی تیسی، میں تو جا رہا ہوں۔" یہ کہتا ہوا بالے اس کی میز کی طرف بڑھ گیا۔ بالے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں پیدا ہوئے۔ وہ اسی طرح لاپرواہی سے بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"معاف کیجیے..." بالے نے اسے مخاطب کیا۔

"معاف کیا، فرمایے۔" وہ قطعی سنجیدہ موڈ میں بولی۔ اس کا یہ بے ساختہ پن بالے کے لیے غیر متوقع ہی تھا۔

"میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

"شوق سے، یہ تو ہوٹل ہے۔"

"میں سمجھا تھا شاید مخصوص نشستیں ہیں۔"

”اگر میرا ساتھی یہاں موجود ہوتا تو یقیناً آپ یہاں نہ بیٹھ پاتے۔ ویسے بیٹھنا ہی چاہتے ہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔“

”شکریہ۔“ بالے یہ کہتا ہوا بے تکلفی سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ شوکت یہ دیکھ کر اپنی جگہ پہلو بدلنے لگا۔ اسے کوئی بہانہ سوجھ رہا تھا جس کی آڑ لے کر وہ بھی اس کے قریب جا بیٹھے۔

”مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔“

”نوجوان لڑکیوں سے رسم و راہ پیدا کرنے کا یہ طریقہ نہ صرف غلط بلکہ بیہودہ سا ہے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے بھی یہ عرض کردوں کہ میں نے پہلے کہیں آپ کو نہیں دیکھا ہے۔“ لڑکی نے بڑے بے تکلفانہ، مگر طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

”میں نے تو صرف آپ کے بارے میں عرض کیا تھا، محترمہ۔ اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ کبھی سر جے رامیش کی سکریٹری رہ چکی ہیں۔“

بالے کے اس جملے پر وہ ایک لمحے کے لیے چونک سی پڑی، مگر فوراً ہی اس نے اپنی کیفیت پر عبور حاصل کرلیا اور مسکرادی۔

”اور کچھ دیر بعد آپ فرمائیں گے میں وائسرائے کی بھتیجی بھی رہ چکی ہوں۔“ وہ منہ چبا کر بولی۔

”آپ بہت تیز اڑ رہی ہیں، ورنہ میں تو کچھ اور کہنے والا تھا۔“

”وہ بھی کہہ ڈالیے۔“

”مثلاً یہ کہ پولیس چاہے احمق بن گئی ہو، لیکن سر جے رامیش کی موت قدرتی حالات میں نہیں واقع ہوئی۔“

”جی نہیں، وہ ان کے کسی تجربے کے ردِعمل سے واقع ہوئی تھی۔“ لڑکی بے ساختگی میں کہہ گئی۔

”اوہ تو آپ کو معلوم ہے نا سب کچھ؟“ بالے نے اس کے الفاظ کو گرفت میں لے لیا۔

”کمال ہے، اور محض اسی لیے آپ میرے لیے یہ شبہ کر رہے ہیں کہ میں ان کی سکریٹری رہ چکی ہوں۔ ان کی موت کی خبر اور ان کے حالات تو تمام ہی اخبارات میں شائع ہوئے تھے۔“

”آپ کا خیال غلط ہے۔ میں نے شبہ پہلے کیا تھا اور آپ نے یہ الفاظ بعد میں کہے ہیں۔“

”میں کسی قسم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ بہتر ہوگا کہ آپ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔“ وہ جھنجلا سی گئی۔

”جی قطعی نہیں، میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔ میں سمجھا تھا آپ وہی ہیں۔“

”اور اب یہ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ میں وہ نہیں ہوں، اس لیے مجھ سے زبردستی گفتگو کرنے کا کوئی جواز بھی آپ کے پاس نہیں رہا۔“

”میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔“ بالے نے مسکرا کر پر اخلاق لہجے میں کہا اور وہ اس کی طرف سے رخ پھیر کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

ٹھیک اسی وقت صدر دروازے سے ایک چوڑے کندھے اور دراز قد کا آدمی، جس کے رعب دار چہرے پر باریک سنہری مونچھیں تھیں اور وہ رات کے وقت بھی سیاہ شیشوں والی عینک آنکھوں پر چڑھائے تھا۔ بدن پر اس نے گہرے نیلے رنگ کا گرم سوٹ پہن رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کا سر کسی اژدھے کی کھوپڑی سے مشابہ تھا، لیکن جب وہ اس میز کی طرف بڑھنے لگا، جہاں بالے اس لڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا تب وہ یہ دیکھ سکے کہ وہ ایک پیر سے کسی قدر لنگڑا کر چلتا تھا۔ وہ بڑے پرسکون انداز میں اس میز کے نزدیک آیا اور لڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بالے اس کی طرف دیکھنے لگا، لیکن وہ عینک کے شیشوں کی اوٹ سے اس

لڑکی کو گھور رہا تھا اور اس نووارد کو دیکھ کر لڑکی کے چہرے کا رنگ بھی زرد پڑ گیا تھا۔

"آپ کی تعریف؟" اس نے بالے کی طرف اشارہ کر کے لڑکی سے پوچھا۔

"مم... میں نہیں جانتی، زبردستی آ بیٹھے ہیں۔" وہ کسی قدر گھبرا کر بولی۔

"کیوں جھوٹ بولتی ہو، کیلی۔ کیا ہم پرانے دوست نہیں ہیں؟" بالے جلدی سے بول اٹھا۔ اسے یاد تھا کہ سر جے رامیش کی سکریٹری کا نام کیس پیپرز میں یہی تھا۔ لڑکی اس کا یہ غیر متوقع جواب اور اس کے منہ سے اپنا نام سن کر سناٹے میں آ گئی اور وہ آدمی بالے کو گھورنے لگا۔

"مم... میں اسے جانتی بھی نہیں۔ یہ ضرور کوئی فراڈ ہے۔" وہ یہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مسٹر، ذرا اپنے حواس قابو میں کیجیے۔" وہ آدمی بھاری اور چیلنج کرتی ہوئی آواز میں بالے سے بولا۔ شوکت بھی یہ گڑبڑ دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر قریب آ گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا، خاں؟" اس نے آتے ہی بالے سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، تم علیحدہ رہو۔" بالے نے روکھے پن سے اسے جواب دیا۔

"اپنے خد کے سے۔ اے لو، یانی وئی مثل ہوئی کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔"

"آؤ چلیں۔" اس آدمی نے لڑکی سے کہا اور وہ چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لی اس طرح جیسے کوئی پالتو کتیا اپنے مالک کے پیچھے چل رہی ہو۔

"شوکت بھائی، تم اپنے کمرے میں جاؤ میں ان کے پیچھے جاتا ہوں۔"

"ارے واہ، یانی میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔"

"کیا مطلب؟"

"میں بھی ساتھ چلوں گا۔" شوکت نے بچوں کی طرح منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔

"تو چلو نا، کمبخت۔ روتے کیوں ہو۔"

"کون روتا ہے؟ میں...؟"

"نہیں میں۔"

یہ کہتا ہوا وہ اٹھا۔ وہ کیونکہ اسی ہوٹل میں مقیم تھے، اس لیے ان کے بل صرف نوٹ کر لیے جاتے تھے اور بلوں کی ادائیگی ہوٹل چھوڑنے پر ہی ہوا کرتی تھی۔

باہر آ کر انھوں نے دیکھا وہ دونوں ایک ہلکی آسمانی رنگ کی بیوک کار میں بیٹھ چکے تھے۔ ان کی کار جب کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی تب وہ اپنی کار میں بیٹھے۔ یہ کار شوکت کی تھی اور وہ اسی میں یہاں تک آئے تھے۔ قیام کا پروگرام صرف دو دن کا تھا۔ نقطۂ نظر محض تفریح تھا اور بالے خود تفریح کے اوقات میں ذہن پر کسی قسم کا بوجھ لادنے کو کبھی تیار نہ تھا، مگر کیونکہ یہاں خان موجود نہ تھا، اور اسے اس لڑکی پر سر رامیش کی سکریٹری کا شبہ ہو گیا تھا، اس لیے خواہ مخواہ اسے ان کے رویے پر ایک کریدی پیدا ہو گئی۔ اگرچہ وہ اس امکانی پہلو کو بھی نہ بھولا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ لڑکی سر رامیش کی سکریٹری سے مشابہت رکھتی ہو یا خود ایسی غلط فہمی ہو رہی ہو۔ بہر حال اب تو جب تک وہ اپنے اس شبے کی تسکین نہ کر لیتا اس کے لیے نچلا بیٹھنا محال تھا اور شوکت کے لیے دلچسپی کا باعث محض اس لڑکی کی خوبصورتی تھی۔

وہ اگر اپنی کار ساتھ نہ لائے ہوتے تو یہاں انھیں بڑی دقت پیش آتی، کیونکہ یہاں ٹیکسیوں کا رواج بہت کم تھا اور چند نجی قسم کی ٹیکسیاں جو نظر بھی آتی تھیں، تو محض ریلوے اسٹیشنوں پر۔ وہ بہر حال اپنی کار میں اس کار کے پیچھے چل پڑے جو اب تقریباً نصف فرلانگ دور جا چکی تھی۔ اگلی کار کی رفتار اعتدال پر تھی، اس لیے انھیں بھی اپنی کار فاصلے پر اور آہستہ رکھنی پڑی۔

پنچم پوری کی آبادی جدید طرز پر بسائی گئی تھی اور شہر کافی خوبصورت تھا۔ اور کیونکہ سڑکیں بھی کشادہ رکھی گئی تھیں، اس لیے زیادہ ٹریفک میں بھی راستے بند نہیں ہوا کرتے تھے۔

اگلی کار ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو کر ایک کمپاؤنڈ میں مڑ گئی، جس کے دروازے پر

ایک بورڈ لگا تھا اور اس پر لکھا تھا، "داخلہ منع ہے"۔

انھیں کار روک لینی پڑی۔

"تم ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں، کونسا مقام ہے یہ۔" بالے یہ کہہ کر کار سے اتر گیا اور شوکت اسٹیرنگ پر بیٹھ کر جگالی کرنے والے انداز میں منہ چلانے لگا۔ بالے سے اس نے چیونگ گم چبانا سیکھا تھا اور اس وقت بھی اس کے منہ میں چیونگ گم ہی دبا ہوا تھا۔

بالے نے کمپاؤنڈ کے پھاٹک تک پہنچ کر اندر جھانک کر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اندرونی عمارت ایک منزلہ بنگلہ تھا اور اس کا برآمدہ بھی سونا نظر آ رہا تھا۔ کمپاؤنڈ پیچھے کی طرف بھی رہا ہوگا، کیونکہ اس کی دیوار پشت کی سمت گھومی نظر آ رہی تھی۔ بجز اس کے کوئی چارہ کار اسے نظر نہ آیا کہ وہ اندر داخل ہو جائے۔ لیکن برآمدے میں اس کے قدموں کی آہٹ سن کر بھی کوئی نہ نکلا۔

لیکن یہ دیکھ کر اسے سخت مایوسی ہوئی کہ اس کمپاؤنڈ کا ایک دوسرا عقبی دروازہ بھی تھا جو کھلا ہوا تھا اور اس کے باہر ایک تنگ سی سڑک نظر آ رہی تھی۔ اسے ناکام لوٹنا پڑا۔ یقیناً اس بنگلے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے کہ اس کار کا وہاں نام و نشان تک نہ تھا۔

"وہ کمبخت دوسرے دروازے سے نکل گئے۔" بالے نے لوٹتے ہوئے شوکت کو بتایا۔

"نصیب اپنے۔ پھر ایسی حور کہاں ملے گی اب۔"

"دوسری دنیا میں، بشرطیکہ اعمال نیک ہوئے۔"

"ارے جاؤ میں خاں، اپن کو تو دنیا میں ہی مل جاتی ہیں حوریں مگر تمہارا سایہ نہ پڑے تو۔"

"یہ ان ہی قدموں کا طفیل ہے، برخوردار۔"

"ہونہہ، بڑے آئے والٹیر کے چچا۔"

”والٹینو۔ مگر مثال بہت پرانی ہو چکی ہے۔ تمہارے منہ سے تو ایسی لگتی ہے جیسے کوئی بڑھیا ایک ہزار ایک سو اکیسویں بار 'اے چل ہٹ جھاڑو پھرے' کہہ رہی ہو۔“

وہ کار میں شوکت کے برابر بیٹھ کر بولا۔

”لاحول ولاقوۃ۔ یہ بھی کوئی مزاخ ہے یانی کہ۔“

”تم نہیں جانتے شوکت بھائی، وہ اگر وہی لڑکی نہ ہوتی جس کا مجھے اس پر شک ہوا تھا تو وہ اس طرح ہمیں ڈاج دے کر نہ بھاگتے۔ اور پھر میں اس کے چہرے کے تاثرات کا بھی مطالعہ کر چکا ہوں۔“

”کاے کا مطالبہ کر چکا ہوں۔“

”تمہارے سر کا۔“ بالے جھنجلا گیا۔

”اے لو، تو میں کوئی وہیانی کہ پروفیسر آف فارسی یانی فارسی دان ہو گیا جو تمہارے یہ لق و دق جملے سمجھ لوں۔“

”کون سے جملے؟“ بولے کو ہنسی روکنی پڑی۔

”ایسا ہی تو بولتے ہیں کچھ۔ میں نے کہیں پڑھا بھی ہے۔“

”اوہ۔۔ اوق۔۔۔“ بالے ہنس ہی پڑا۔

”اب اپن واپس کب چل رہے ہیں اپنے شہر؟“

”ارے اس بہشتِ نظیر کو چھوڑ کر بھاگنے کی سوجھی ہے تمہیں؟“

”تمہیں کو مبارک ہو تمہاری یہ بہشت بھی اور نظیر بھی۔ اپنا دل تو نہیں لگ رہا ہے یہاں۔“ شوکت کا لہجہ خشک ہو گیا۔

”خیر ہم کل صبح یہ فیصلہ کر لیں گے کہ واپس چلیں یا ٹھہریں۔“

”میں تو نہیں ٹھہروں گا تم کو ٹھہرنا ہے تو ٹھہرو۔“

”صرف کل صبح تک۔“

”اور جو تمہاری جاسوسی ماسوسی کا کوئی چکر چل گیا تو؟“

”اللہ نے چاہا تو ہم ہی چل پڑیں گے، چکر کیا چلے گا۔“

”تم جانو، میں تو رات گزار کر صبح نو دو گیارہ ہو جاؤں گا۔“

”تم دس تین تیرہ بھی ہو سکتے ہو، مگر صبح تو ہونے دو۔“

اس کے بعد دونوں ہی خاموش ہو گئے اور ان کی کار واپس ہوٹل کے راستے پر دوڑنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆

بلا گلے پڑی

”لیکن میں تو یہاں چھٹی منانے آیا ہوں۔“ بالے فون پر کہہ رہا تھا۔

”میں کیا کروں؟ تم نے خود سر رامیش کی سکریٹری کا ذکر چھیڑ کر یہ مصیبت اپنے سر مول لی ہے۔“ دوسری طرف سے اسے خان کا جواب ملا۔ اس نے یہی ضروری سمجھا تھا کہ اس اتفاق کے بارے میں ٹرنک کال پر خان کو مطلع کر دے۔ اس کے باوجود کہ سر رامیش کا کیس پرانا ہو کر دب چکا تھا اور یہی سمجھا گیا تھا کہ ان کی موت خود کسی تجربے کی ناکامی سے واقع ہونے والی حادثاتی موت تھی، لیکن واقعات کی کڑی ملانے میں پولیس کو اس کی سکریٹری کی ضرورت تھی، جو پراسرار حادثے میں غائب ہو گئی تھی اور اسے کافی تلاش کرنے کے بعد اس طرف سے بھی مایوس ہو کر پولیس نے اس میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا تھا، لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ بالکل ویسی ہی شکل کی لڑکی بالے کو یہاں نظر پڑ گئی اور جس طرح وہ سر رامیش کے ذکر اس کے سکریٹری کے نام کیلی پر چونکی تھی اس کے پیشِ نظر اور اس وقت کے اس کے بشرے کے تاثرات کا مطالعہ کرنے یہ بات زیادہ قابلِ قبول ہو گئی تھی کہ وہی سر رامیش کی سکریٹری ہو سکتی ہے۔ بہر حال یہ وہ کلہاڑی تھی جو بالے نے خود اپنے پروں پر ماری تھی۔

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کر دریا میں ڈال والا مقولہ صحیح ہے۔“ بالے نے جواب دیا۔

”مقولہ تو یہ بھی صحیح ہے کہ نماز بخشوانے آئے تھے روزے گلے پڑ گئے۔“ خان کو جواب ملا۔

”تو کیا بھگتنی پڑے گی؟“

”یقیناً۔ تمہیں رخصت پھر بھی مل سکتی ہے۔ اس وقت تو خود کو ڈیوٹی پر ہی سمجھو۔“

"اور وہ جو غیر سرکاری گدھا جو میرے ساتھ ہے؟"

"اگر تمہارے کام میں خلل نہ پڑے تو اسے ساتھ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

"مضائقہ نہیں تو ذائقہ بھی نہیں ہے۔"

"وہ تم جانو۔ مجھے تو وہاڑی چاہیے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے میں کوئی دلال ہوں۔"

"سمجھ ہے اپنی اپنی۔"

"اچھا ہے۔ میں بھی ہفتوں کا کام مہینوں میں کروں گا۔ یہی تو آرام لینے کے مواقع ہیں۔"

"اور اگر ہاتھ آیا ہوا موقع ہاتھ سے نکل گیا تو زندگی بھر آرام کرنے کے مواقع نصیب ہو جائیں گے۔"

"آپ میں ضرور نادر شاہ درانی نے دوسرا جنم لیا ہوگا۔"

"اچھا بس۔ اور ہاں دیکھو، جہاں ٹھہرے ہو اس مقام کو چھوڑ دو اور ہو سکے تو حلیہ بدل کر اپنا کام کرو۔"

"میں تو خیر بدل سکتا ہوں، لیکن یہ خوفت خیاں خاں جاگیر خار کو کیا جائے؟"

"اسے علیحدہ رہنے دو۔"

"بہتر ہے۔ حتی الامکان کوشش کروں گا، لیکن شبے کی صورت میں وہ لوگ اس شہر کو چھوڑ سکتے ہیں۔"

"وہ ایسا نہ کریں گے تاوقت کہ خط کی اہمیت کا پوری طرح اندازہ نہ کر لیں۔"

"میرا طریق کار کیا ہونا چاہیے؟"

"اور پھر یہ پوچھنا کہ مجھے کھانا کون سے ہاتھ سے کھانا چاہیے۔"

"اچھا نہیں پوچھتا اور کوئی آرڈر۔"

"باقی آئندہ۔ پہلے اتنے پاپڑ تو بیل لو۔"

یہ کہہ کر خان نے ریسیور رکھ دیا اور کال کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

شوکت کی روح فنا ہو گئی، اگر رات وہ اس کمرے میں سویا ہوتا اس کا بھی یہی حشر ہوا ہوتا۔ کل شام کو ہی اس نے بالے کے مشورے پر اپنا کمرہ تبدیل کر دیا تھا اور منیجر نے اس کا کمرہ دو نئے مسافروں کو دے دیا تھا۔ یہ چمڑے کے تاجر تھے جو کل ہی اس شہر میں وارد ہو گئے تھے اور آج سویرے ہی اس کمرے سے ان کی لاشیں برآمد ہوئی تھیں۔ ان کی جلد نیلی پڑ گئی تھی اور ہاتھ ٹھٹھر سے گئے تھے۔ دانت پر دانت جمے ہوئے تھے، جیسے انھوں نے بڑی اذیت کے ساتھ جان دی ہو۔ لیکن یہ کوئی خودکشی کا واقعہ تھا یا سازش، اس کے متعلق کوئی نظریہ نہیں قائم کیا جا سکا، لیکن اس واقع سے پوری آبادی میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ یہ ایک عجیب سا واقعہ تھا۔ مرنے والے دہلی کے اطراف کے رہنے والے تھے۔ حیثیت سے خوشحال معلوم ہوتے تھے اور فوری طور پر یہ شبہ کرنا بھی مشکل تھا کہ انھیں کسی نے زہر نہ دیا ہو۔ بظاہر حالات کسی قسم کے شبہات کے حق میں نہ تھے۔ ہوٹل کے تمام ملازم معتبر تھے۔ ہوٹل میں ایسے لوگ قیام کرتے تھے جن کا تعلق مہذب اور اعلا سوسائٹی سے ہوتا تھا۔ رات کے وقت کھانے کے بعد صرف ایک بار ہوٹل کا ملازم کافی دے کر آیا تھا۔ اس کے بعد تو کوئی ان کے کمرے میں گیا بھی نہیں۔ بہر حال اس شہر کی زندگی میں یہ واردات ایک تہلکہ خیز نوعیت رکھتی تھی۔ خواہ اسے خودکشی سے تعبیر کیا جائے یا پراسرار قسم کی اموات سے۔

لیکن شوکت کے لیے صرف اس واردات کی سنسنی خیزی ہی کافی نہیں ہوئی۔ ابھی وہ لباس تبدیل کر کے باہر جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونک پڑا۔ اس نے جب دروازہ کھولا تو باہر دو باوردی پولیس آفیسر موجود تھے۔ اس سے اجازت کے بغیر ہی اندر آ گئے۔ شوکت انھیں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"فف… فرمایے… یانی فرمایے۔"

"بیٹھیے بیٹھیے، ہمیں آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔" ان میں سے ایک نرم لہجے میں بولا۔

"ہاں ہاں، کریے، کائے کے سوالات؟ کریے۔" شوکت یہ کہتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئے۔

"کل شام تک آپ ہی اس کمرے میں مقیم تھے؟"

"جیاں۔" شوکت نے جلدی سے گردن ہلائی۔

"آپ کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟"

"جیاں، میرا ایک دوست تھا۔"

"آپ نے وہ کمرہ کیوں چھوڑا؟"

"اے لو، یہ کیا بات ہوئی۔ یانی جی چاہا، بس چھوڑ دیا۔"

"لیکن خاص کر اسی شام کو کیوں جس کی رات وہاں دو آدمیوں کی موت واقع ہونے والی ہو؟" ان میں سے دوسرے نے چیختے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"کمال ہے آپ کا بھی۔ یانی کوئی میں علم النجوم یا جوتشی موتشی ہوں جو مجھے پہلے سے مالوم ہو جاتا۔"

"لیکن پھر آپ کا ساتھی کہاں غائب ہو گیا؟" پولیس افسر نے پوچھا۔

"وہ جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔"

"کہاں سے آیا تھا؟ کہاں چلا گیا؟"

"یہ میری ذاتیات ہے، آپ کو کائے کو بتاؤں۔"

"آپ کو بتانا پڑے گا، ورنہ آپ کی پوزیشن صاف نہیں ہو سکے گی۔"

"یہ تو وئی بات ہوئی کہ مان نہ مان، میں تیرا خالو خان۔ یانی کوئی زبردستی ہے۔"

"آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا پڑے گا۔" ان میں سے ایک نشست سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"آپ اس طرح مجھے نہیں لے جاسکتے۔ میں بھی کوئی موتا (معزز) آدمی ہوں۔" شوکت کی رگ پکایت ٹیڑھی ہوگئی۔

"ہمیں افسوس ہے کہ اس معاملے میں معزز اور غیر معزز کا کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ ایک بڑا اہم کیس ہے۔ آپ کو چلنا ہوگا۔ ورنہ بتایئے آپ کا ساتھی کون تھا اور کہاں چلا گیا؟"

"شہر سے آیا تھا۔ میرا دوست تھا پھر شہر چلا گیا۔"

"اس کا نام اور پتا لکھوایئے۔"

"نام وام مالوم نہیں۔ پتا وتا بھی نہیں مالوم۔"

"دیکھیے اس طرح اکڑنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کی بے عزتی ہو۔" پولیس افسر کا لہجہ ناخوشگوار ہوگیا اور شوکت کی ساری اکڑ رفو چکر ہوگئی۔ بالے موجود ہوتا تو وہ ان پولیس افسرز کے فرشتوں سے بھی نہ ڈرتا، لیکن اس اجنبی مقام پر یہاں اس وقت تو وہ اکیلا ہی تھا، گھبرا سا گیا۔

وہ جب باہر نکلنے لگے تو منیجر اسے خوں آشام نگاہوں سے گھور کر بڑبڑا رہا تھا۔ باہر پولیس کار موجود تھی۔ شوکت کو اس میں بٹھالیا گیا۔

ہوٹل کے نچلے ہال میں کاؤنٹر کے پاس ہی ایک میز کے نزدیک ایک اکہرے بدن کا ادھیڑ عمر آدمی شوکت کو ان پولیس آفیسر کے ساتھ جاتے دیکھ رہا تھا۔ پولیس کار کے روانہ ہوتے ہی وہ بھی ہوٹل سے باہر نکل آیا اور سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی کالے رنگ کی کار اپنی جگہ سے اسٹارٹ ہوکر اس کے قریب آکر رک گئی۔ وہ آدمی اس کا پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

"پارک ایونیو چلو۔" اس آدمی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"صاحب، میں اس شہر میں نیا ڈرائیور ہوں، ابھی تک پارک ایونیو نہیں گیا، آپ بتاتے جایے راستہ۔" ٹیکسی ڈرائیور نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"ہاں ٹھیک ہے، چلو، ابھی تو سیدھے چلو۔"

"اچھا صاحب۔" ڈرائیور نے کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆☆

ٹیکسی میں سوار ادھیڑ عمر آدمی جس کی شکل کسی سوکھے چھوارے سے مشابہ تھی، اسے راستے کے بارے میں ہدایت دیتا رہا اور ڈرائیور تیز رفتار سے گاڑی چلاتا رہا۔ ان کی کار شہر کے مرکزی علاقے کو چھوڑتی ہوئی ایک پل سے گزرنے کے بعد جس علاقے میں داخل ہوئی وہاں آبادی بہت کم اور چھتری ہوئی تھی۔ سڑکیں سونی پڑی تھیں۔ صرف اکا دکا لاریاں گزر جاتیں جن پر غلے کے بورے یا سامان لدے ہوتے۔ مین روڈ پر ایک جگہ ایک سرا ہا تھا، جہاں بورڈ لگا تھا، "پارک ایونیو"۔ گاڑی اس چھوٹے راستے پر موڑنے کے بعد انھیں تقریباً ایک میل چلنا پڑا جب وہ ایک ایسے علاقے میں داخل ہوئے جہاں شاید پکنک وغیرہ کے لیے ایک وسیع و عریض سرکاری پارک بنا ہوا تھا۔ اس پارک کی دوسری سمت میں زمین ڈھلوان تھی اور اس کے نشیب میں ایک تنگ پلاٹ والی ندی بہتی تھی۔ اس ندی کے اس پار ناہموار زمین تھی جو بتدریج اونچی ہوتی چلی گئی تھی اور ایک جگہ اس اونچائی کو خاردار درختوں کی ایک باڑھ نے گھیر رکھا تھا۔

دور سے یہ مقام بالکل ویران نظر آتا تھا، لیکن اس کے قریب ہی بجلی کے تاروں کے کھمبوں کی قطار گزرتی دور مضافاتی اسٹیشن رکابی تک چلی گئی تھی۔ پارک ایونیو کے دوسرے سرے پر اس نے ٹیکسی رکوا دی اور اتر گیا۔ اس نے ڈرائیور کی طرف پانچ روپے کا نوٹ بڑھا دیا اور بل کی ادائے گی کے بعد بقیہ رقم کی واپسی کا انتظار کیے بغیر پارک ایونیو کے احاطے سے نکل

کر ڈھلوان کی طرف چل دیا۔

ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پارک ایونیو کا ایک چکر لگا کر گاڑی کو اس کی پشت پر لا کھڑا کیا۔ انجن بند کر کے وہ کار سے اتر کر خود بھی ڈھلوان کی طرف چلنے لگا۔ اس کو وہ آدمی دور اس ندی کے کنارے نظر آ رہا تھا۔ ندی میں پانی تھوڑا تھا اور دونوں کنارے کافی دور تک خشک ہو چکے تھے۔ ایک جگہ دو طرفہ اونچے ٹیلوں پر کھمبے گاڑ کر رسی کا پل بنا دیا گیا تھا، جس کے نچلے حصے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے لکڑی کی پٹریاں لگی تھیں، جن پر متوازن ہو کر چلنے کے لیے دونوں سمت رسی کھنچی ہوئی تھی۔ وہ آدمی اب اس پل پر جا رہا تھا۔ ندی کے کنارے تک پہنچنے میں ڈرائیور کو بھی دیر نہ لگی، مگر وہ محتاط تھا کہ وہاں تک اسے چٹانوں اور جھاڑیوں کی آڑ لے کر پہنچنا پڑا۔ پھر اس نے اس آدمی کو پل عبور کر لینے کے بعد اس پار کے فراز پر چڑھتے دیکھا اور وہ خود بھی رسی کے پل پر پہنچ گیا۔ اس پار پہنچ کر اس نے اپنی رفتار تیز کر دی کیونکہ جس آدمی کا وہ تعاقب کر رہا تھا وہ اب ان خاردار جھاڑیوں سے گھرے ہوئے اونچے ٹیلے کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں تک ایک کچی پگڈنڈی راستہ دکھاتی تھی اور کیونکہ وہ اونچائی پر تھا اس لیے صاف نظر آتا تھا۔ وہ لاپرواہی کے انداز میں چل رہا تھا، اس لیے اس کی رفتار تیز نہ تھی۔ ان جھاڑیوں کے نزدیک پہنچ کر وہ رک گیا۔ یہاں داہنی سمت میں ایک دروازہ کاٹ دیا گیا تھا جو اتنا چوڑا تھا کہ با آسانی اس میں ایک کار داخل ہو سکے۔ وہ اسی راستے سے اس احاطے میں داخل ہو گیا اور کچھ دیر بعد ہی ٹیکسی ڈرائیور بھی اندر داخل ہو چکا تھا، لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی کہ دور سے اور نشیب سے ان جھاڑیوں کے بیچ اگرچہ کچھ نظر نہ آتا تھا، لیکن انھوں نے دراصل ایک بڑے پرانے پتھر کے بنے بنگلے کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اس کے دروازے اور کھڑکیاں البتہ نئی معلوم ہوتی تھیں اور احاطے میں صفائی اور قرینے سے سبز گھاس کو تراش کر بیچ بیچ میں کیاریاں بنا دی گئی تھیں۔ اس بنگلے کے باہر برآمدے کے ساتھ ہی لکڑی کا ایک جنگلہ لگا ہوا تھا۔ وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر سامنے نظر پڑتے ہی اسے ٹھٹک کر رک جانا

پڑا۔ برآمدے میں اسے ایک جوان لڑکی کھڑی نظر آئی جو کافی خوبصورت اور نکھرے ہوئے رنگ کی تھی۔ اسے دور سے یہ شکل کچھ پہچانی ہوئی سی نظر آئی۔ وہ اس وقت ایک سفید شرٹ اور برجس پہنے ہوئے تھے۔ وہ جس جگہ پہنچ چکا تھا وہاں سے آگے بڑھنا مشکل تھا، کیونکہ اس طرح وہ اس کے سامنے پڑ جاتا، مگر ایک منٹ توقف کے ساتھ یہ مسئلہ آپ ہی آپ حل ہوگیا۔ شاید اس لڑکی کو اندر سے آواز دی گئی تھی۔ وہ پہلے چونکی پھر برجس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اندر چلی گئی۔ ڈرائیور تیزی سے جھاڑی سے نکلا اور ایک جست مار کر جنگلے کے نزدیک پہنچ گیا۔ ابھی وہ سیدھا ہو ہی رہا تھا کہ کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ نے اسے چونکا دیا۔

اندر سے پھر کوئی نکل کر باہر آ رہا تھا۔ وہ جنگلے کی اوٹ میں دبک گیا۔ آنے والا ایک لمبا تڑنگا کسی قدر سیاہ فام آدمی تھا۔ دیکھنےمس وہ کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بندوق تھی۔ اس کا لبوترہ چہرہ خوفناک معلوم ہوتا تھا اور اندر دھنسی ہوئی زرد چمکدار آنکھوں سے خونخواری ظاہر ہوتی تھی، جیسے انسان کے چہرے میں کسی بھیڑیے کی آنکھیں چھپی ہوئی ہوں۔ اس نے ایک سرسری نظر احاطے پر ڈالی اور پھر برآمدے میں ہی ٹہلنے لگا۔ سر اٹھانے کا کوئی موقع نہ پاکر ڈرائیور زمین پر رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اب وہ اس عمارت کی پشت کی طرف جا رہا تھا۔

پشت کی طرف اسے پتھریلی دیوار میں ایک جگہ ایک کھڑکی کھلی نظر آئی۔ اس نے سر اٹھا کر اندر دیکھا۔ اندر ایک آدمی ایک کرسی پر نیم دراز اپنی دونوں ٹانگیں سامنے کی میز پر پھیلائے اور چہرے پر اپنا فیلٹ ہیٹ رکھے سو رہا تھا۔ میز پر بیئر کی ایک خالی بوتل ایک بڑا گلاس اور ایک ایش ٹرے رکھی ہوئی تھی، جس میں جلی ہوئی سگریٹوں کے ٹکڑے بھرے تھے۔ بہت آہستگی سے وہ کھڑکی سے کود کر اندر داخل ہوگیا۔ اس نے اتنی آہٹ بھی نہ ہونے دی کہ جاگتا آدمی بھی چونک سکے۔ یہ ایک چوکور سا چھوٹا کمرہ تھا جس نیں ایک طرف پیک کیے ہوئے کچھ باکس رکھے ہوئے تھے۔ ان میں کیا تھا۔ یہ اندازہ لگانا تو مشکل ہی تھا، لیکن کمرے میں

داہنی سمت ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دیوار کے سہارے کھسکتا ہوا اس آدمی کی پشت پر پہنچ گیا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سفید رومال نکال کر ایک شیشی سے چند قطرے کلوروفارم کے اس پر ٹپکائے اور شیشی جیب میں رکھ لینے کے بعد ایک ہاتھ سے رومال تھام کر دوسرے ہاتھ سے آہستہ سے سوئے ہوئے آدمی کے چہرے سے فیلٹ ہیٹ اتار دیا۔ وہ آدمی نیند سے چونکا تک نہیں۔ ڈرائیور نے وہ رومال اس کی ناک اور منہ پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اس کی کرسی سنبھال لی۔

سوتے ہی سوتے اسے بیہوش کرنے کے بعد اس نے اسی طرح کرسی پت ٹکا کر اس کے پیر میز پر سیدھے رکھ دیے اور کھلے دروازے کو وا کر کے پنجوں کے بل چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک کشادہ کمرہ تھا، جس میں ایک طرف بہت سی پیٹیاں رکھی تھیں اور درمیان میں گزرنے کے خالی جگہ چھوڑ کر دوسری طرف کسی بدبوداری چیز کے بھرے ہوئے بورے رکھے تھے۔ یہ بدبو عجیب قسم کی تھی، جیسے جلے ہوئے گوشت سے چراند اڑتی ہو۔ ڈرائیور نے جیب سے چاقو نکال کر ایک بورے کو ذرا سا چاک کر کے دیکھا اس کے اندر ایک سیاہ چمکداری سخت چیز کے ٹکڑے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے ایک ٹکڑا نکال کر جیب میں ڈال لیا اور اس کمرے کو تیزی سے عبور کرتا ہوا اس پتلی سی راہداری میں نکل گیا جو اس کمرے کو اندرونی حصوں سے ملاتی تھی۔ اندر اسے ایک خالی سا دالان ملا، جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے کئی دروازے تھے۔ یہاں دن کے وقت بھی اتنا اندھیرا تھا کہ بجلی کا ایک بلب بھی روشن رکھا گیا تھا۔ وہ ایک دروازے کے قریب ٹھٹک کر رک گیا۔ اندر سے کچھ آدمیوں کے گفتگو کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے دروازے کی دراز سے کان لگا دیا۔ اندر سے کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔

”ہمیں باس کا انتظار تو کرنا ہی پڑے گا۔“

”لیکن اس شہر میں اب ہمارے لیے خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس موٹے آدمی کو اگرچہ یہاں کی پولیس بازپرس کے لیے لے گئی ہے، لیکن اس کا ساتھی لاپتا ہے اور وہ صرف اتنا

ہی بتاتا ہے کہ وہ واپس چلا گیا۔"

"وہ قطعی طور پر کوئی بمبئی خفیہ پولیس کا آدمی ہی ہوگا، کیونکہ اور کہیں کی پولیس کو نہ تو سر امیش کے بارے میں کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے نہ اتنی معلومات کہ وہ ان کی لیڈی سکریٹری کا نام تک جان سکے۔ اور نام جاننا ہی کیا، اسے پہچان لینے کا شبہ بھی کرے۔" یہ آواز اسی لڑکی کی معلوم ہوتی تھی جو برآمدے میں دیکھی گئی تھی۔

"اس نے تمہیں کیلی کہہ کر ہی مخاطب کیا تھا؟" پہلا آدمی پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔ تب ہی تو میں چونک پڑی تھی۔ اور پھر وہ ویسے بھی پراسرار قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔" لڑکی کہہ رہی تھی۔

"تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہیں کہیں شہر میں ہو اور اسے تمہاری تلاش ہو؟" ایک بھاری آواز جو شاید ابھی تک خاموش تھی دخل دیتے ہوئے بولی۔

"اس نے ہمارا تعاقب کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہو کیلی سے گہری دلچسپی لے رہا تھا۔" پہلا آدمی اسے بتانے لگا۔

"خیر ہمیں ڈر تو کسی کا نہیں۔ ہمارا باس ایسی پراسرار طاقتوں کا مالک ہے کہ کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لیکن باس کو کوئی ادھوری رپورٹ نہیں دی جا سکتی۔ ہمیں اس سے پہلے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ موٹا اور اس کا ساتھی کون ہیں اور کیوں یہاں آئے ہیں۔" وہ بھاری آواز کہنے لگی۔

"یہ کام اتنا آسان تو نہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں وہ موٹا کوئی بیوقوف سا آدمی ہے اور تم اس سے بہت کچھ معلوم کر سکتی ہو، صرف اسے ذرا سا ہموار کرنے کی ضرورت ہوگی۔"

"میں سمجھ گئی۔ لیکن اس کا ساتھی آکوواتو؟ وہ بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"ارے یہی موقع تو ہم چاہتے ہیں ۔ وہ ہاتھ آگیا تو بس سارا خود بخود حل ہو جائے گا اور ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے ۔"

"سوالات کے بعد پولیس والے اسے ضرور واپس بھیج دیں گے ۔"

"میں کوشش کروں گی ۔" وہ بولی ۔

"طریق کار تم خود بہتر سمجھ سکتی ہو ۔ تمہاری ذہانت پر مجھے بھروسہ ہے، لیکن اتنا یاد رکھنا کہ باس نے تمہیں ایک بار ہی معاف کیا ہے، کوئی دوسری لغزش وہ شاید معاف نہ کرے ۔" بھاری آواز نے اسے تنبیہہ کی ۔

"جانتی ہوں ۔" لڑکی نے مری ہوئی سی آواز میں کہا ۔

"آج ہی رات کی تاریکی میں تم پچھلے راستے سے چلی جاؤ ۔ پولیس اسٹیشن سے واپس وہ ہوٹل میں ہی آئے گا ۔ شاید تمہارا ایک ٹیلی فون ہی اسے تمہارے پاس آنے پر آمادہ کرے ۔ یار رہنے دو، میں اس کا انتظام کرا دوں گا ۔"

"او کے سر ۔"

اس کے بعد کمرے سے جاتے ہوئے چند قدمون کی آہٹیں سنائی دیں اور سناٹا چھا گیا ۔ ڈرائیور الٹے قدموں واپس لوٹا ۔ اور جب وہ پہلے کمرے میں پہنچا تو وہ آدمی اب تک بیہوش تھا ۔ اس نے اس کا فیلٹ دوبارہ اس کے منہ پر رکھ دیا اور کھڑکی کے راستے کود کر باہر نکل گیا ۔

☆☆☆☆☆☆

بلاوا

شوکت غصے میں بھرا اپنے کمرے میں اس سرے سے اس سرے تک ٹہل رہا تھا۔ دونوں ہاتھ پشت پر تھے۔ یہ اس کی عادت تھی کہ جب وہ ذہنی طور پر پریشان ہوتا تو آپ ہی آپ بڑبڑایا کرتا تھا۔ اس کے ہونٹ اس وقت بھی ہل رہے تھے۔

"میں کبھی ان پولیس والوں کا بھروسہ کروں تو ایک باپ کی اولاد نہیں۔ سالے مجھے پھنسا کے خود غائب ہو گئے، ہونہہ۔ تیل لینے گئی یہ دوستی موستی۔ ایک تو ان کی خاطر جھوٹ بولو، اوپر سے ان کی برادری والوں کی ڈانٹیں بھی سنو۔ لاحول ولاقوۃ۔ میاں شوکت خاں، تم بھی سالے الو کے پٹھے ہو۔" وہ خود کو گالیاں دینے لگا۔ "ارے یہ سارجنٹ مارجنٹ پورے چٹ ہوتے ہیں۔ کتنی اچھی دیکھ رئی تھی وہ سالی پری پی کر (پکر) ٹپک پڑی بیچ میں سالی سراغ رسانی، ہونہہ۔ جتنے کالے سب باپ کے سالے ہوئے۔"

اس نے سر کو جھٹک دیا۔ پھر اسے نہ جانے کی سوجھی جو اس نے گھنٹی بجا کر بیرے کو بلوا لیا۔ بیرا تھوڑی دیر میں ہی آ پہنچا۔

"بل کو بول کر منیجر لاؤ، میں آج ہی اِدر سے جانا چاہتا ہوں۔" شوکت اس سے اپنی دھن میں الٹا بول گیا۔

"ارے نئیں سیٹھ، تھوڑا تو اور خدمت کرنے دیجیے ہمیں۔ آپ جیسے بڑے لوگ بار بار کہاں آتے ہیں یہاں۔"

"ارے توبہ کرو میاں بیرے صاب، بڑے لوگ ہوتے ہوں گے تو وہ کاف (کوہ قاف) میں، اپن تو ایسے ہی چھوٹے موٹے ہیں۔"

"مگر سیٹھ، ایسی بہار والی جگہ چھوڑ کر جانے میں کیا مزہ آئے گا آپ کو؟"

"کیا...؟ یانی آپ مشورہ دے رہے ہیں مجھے گویا۔" شوکت کو اس کی نصیحت کچھ ناگواری گزری۔ اس کا لہجہ ترش ہوگیا۔

"نہیں نہیں سیٹھ میری کیا مجال۔ میں تو ایک معمولی نوکر ہوں یہاں کا۔ میں ابھی منیجر صاحب کو بولتا ہوں بل تیار کرنے کے لیے۔" بیرا جلدی سے گھبرا کر بولا۔

بیرے نے جاتے ہی منیجر کو بھیج دیا۔ وہ بوکھلایا ہوا سا آ پہنچا۔

"کیا بات ہوگئی جاگیردار صاحب؟ کیا ہم سے کوئی شکایت ہے؟" اس نے آتے ہی پوچھا۔

"اور لو سنو، آپ سے کاہے کو شکایت ہوگی، آپ کوئی میرے وہ ہیں یانی رشتے دار مشتے دار۔"

"تو پھر اس طرح اچانک ہوٹل چھوڑ کر جانے کی وجہ؟"

"اب میں آپ کو وجا بھی بتاؤں۔ سالے دو دو آدمی آپ کے ہوٹل میں مر گئے۔ آدھے گاہک کمرے چھوڑ کے بھاگ گئے اور میں یہیں بیٹھا رہوں۔" شوکت نے جواب دیا۔

"لیکن جاگیردار صاحب، موت آئی ہوتی ہے تو سات پردوں میں چھپ جانے پر بھی آتی ہے۔ یہ ایک اتفاق ہوگیا۔"

"اب آپ اتے حافظ زیارت علی مت بنیے، یانی مولوی وائظ (واعظ) محرمی۔"

"میں سمجھا نہیں آپ کا مطلب؟"

"ہمارے یہاں محرم میں وائظ لوگ ایسی نصیحتیں کیا کرتے ہیں۔ مجھے تو بس بل چاہیے۔"

"تو گویا آپ واقعی ہمارا ہوٹل چھوڑ رہے ہیں؟" منیجر مایوسی سے بولا۔

"نہیں تو کیا یہیں اپنا مقبرہ بنواؤں؟"

"آپ اگر ڈر کر جانا چاہتے ہیں تو مجبوری ہے، کون روک سکتا ہے۔"

”کون ڈر کے مارے جانا چاہتا ہے؟ میں ...؟ ارے میاں توبہ کرو۔ میں اور ڈر، ہوشت۔“

”مگر لوگ تو یہی سمجھیں گے۔“

”خد کے پے گئے لوگ موگ، مجھے پانی پر مت چڑھایئے آپ۔“

”خیر آپ کی مرضی۔“ فیجری کہہ کر مایوس سا چلا گیا، لیکن اس کے جاتے ہی دروازہ دوبارہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔ شوکت نے اس بار جھنجلاہٹ میں نہ اندر سے جواب دیا نہ دروازہ کھولا۔ دروازہ پھر کسی نے کھٹکھٹایا اور اسے غصہ آ گیا۔ حالانکہ دروازے پر آہستہ سے تھپکی دی گئی تھی۔

”ابے گھنٹی بجانے کو شرم آتی ہے کیا؟“

مگر باہر سے کوئی جواب نہ ملا، صرف دروازے کی نیچے کی دراز سے ایک سفید لفافہ کھسک کر اندر آ گیا۔ شوکت نے لفافہ تو اٹھا لیا، مگر دروازہ نہ کھولا۔ لفافہ اوپر سے سادہ تھا۔ اس نے اسے چاک کیا تو اس میں سے کاغذ کا ایک پرزہ نکلا، جس پر باریک سی زنانہ تحریر میں لکھا تھا۔ ”مجھے اگر حاصل کرنا چاہتے ہو تو آج رات کو ساڑھے ۸ بجے نیشنل سوئمنگ پول ریٹائرنگ روم میں ملو۔“ نیچے صرف ’وہی لڑکی‘ لکھا تھا۔

خط پڑھ کر شوکت وہی لڑکی کے چکر میں پڑ گیا اور جب اسے خیال آیا کہ یہ وہی لڑکی ہو سکتی ہے، جس کا تعاقب انھوں نے کیا تھا تو اس کے تصور سے ہی اسے جھرجھری سی آ گئی۔

”بھلا اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔“ وہ بڑبڑایا مگر فوراً ہی اسے یاد آ گیا کہ وہ اندھا نہیں ہے۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ دو اور دو چار آنکھیں ہو جائیں۔ اور پھر دروازہ کھولے بغیر ہی چار آنکھوں کے فلسفے پر وہ ان شاعروں کے نقطۂ نظر سے غور کرنے لگا، جنھیں اگر اس خوبصورت لڑکی سے آنکھیں چار کرنے کا موقع مل جائے تو وہ کیا کریں گے۔

”جہنم میں جائیں گے سالے۔ ذرا ملا کے تو دیکھیں آنکھ مانکھ۔“ وہ خود ہی سر کو

جھٹک رانھیں چیلنج کر بیٹھا۔ لیکن اس وقت اس کی کھوپڑی میں سراغ رسانی کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ یعنی یہ خط آیا کہاں سے اور لایا کون۔

یہ سوچ کر اس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ وہاں تو کوئی بھی نہ تھا۔ سارا کاریڈور سونا تھا۔

"ارے آم کھانے سے مطلب اپن کو کہ پیڑ گننے سے۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے وہ چھٹی تو جیب میں رکھ لی اور پھر دروازہ باہر سے بند کر کے نیچے اترنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کیوں نہ بالے کو بھی خبر کر دے۔ مگر زینہ طے کرتے ہی اس کا خیال بدل گیا۔

"بڑی رازداری سے خط بھیجا ہے بیچاری نے اور پھر بالے بھائی کا کیا بھروسہ۔"

چنانچہ نیچے آ کر اس نے ٹیلیفون کرنے کی بجائے منیجر کو صرف اتنی اطلاع دی کہ اس نے فی الحال ہوٹل چھوڑنے کا خیال بدل دیا ہے۔ منیجر بیچارہ خوش ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

جس وقت شوکت اپنی کار میں بیٹھنے لگا، اس کی نظر سڑک کے پار کھڑے ہوئے ایک پستہ قد سانولے سے آدمی پر پڑ گئی۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ شوکت کو اپنی طرف دیکھتے دیکھ کر اس نے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ نہ جانے کیوں شوکت کے دماغ میں بھی یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اس کی بے توجہی بناوٹی سی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ سوچنے کی وہ صلاحیت بھی نہ رکھتا تھا، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ وہ گاڑی ڈرائیو کرنے میں کچھ محتاط ہو گیا۔

نیشنل سوئمنگ پول کوئی غیر معروف مقام نہ تھا۔ وہ شہر کے ہی ایک فیشن زدہ علاقے میں سرکاری خرچ پر بنایا گیا تھا اور زیادہ تر تعیش پسند صاحب حیثیت لوگ ہی اسکے ممبر تھے اس کو احاطے میں رکھنے والی عمارت کافی خوبصورت تھی اور یہاں اور بھی چند تفریحات کا انتظام تھا۔ جمنازم اور دوسری ورزشوں کا بھی انتظام تھا۔

شوکت ایک بار اس طرف سے گزر چکا تھا اور اسے اس کا راستہ اچھی طرح یاد تھا۔ ویسے اس نے اسے اندر سے نہ دیکھا تھا۔

اپنی کار باہر پارک کر کے وہ اس کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے پیچھے پلٹ کر دیکھنے لگا، لیکن نہ تو کوئی اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور نہ ہی یہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ تھی۔ وہ دروازے پر پہنچا تو دربان نے اسے محض اس لیے راستہ دے دیا، کیونکہ وہ ایک شاندار کار پر سوار ہو کر آیا تھا اور یقیناً اگر ممبر نہ ہوا تو کوئی بڑی ہستی ہی ہو گی۔ شوکت کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ یہاں داخلے کے لیے کسی پاس یا بیج کی ضرورت ہو گی، ورنہ شاید وہ خود ہی اس طرح اندر جانے سے ہچکچاتا۔ یہاں ایک کھلے حصے میں اسے کچھ سفید پوش آدمی نظر آئے۔ ویسے پول کے اس حصے میں کافی روشنی اور کچھ چہل پہل بھی تھی۔ یہ شاید انڈور گیمز کا کوئی شعبہ تھا۔

"ذرا بھائی صاحب۔" اس نے ایک سفید پوش کو آواز دی۔ اور وہ جلدی سے دوڑ کر اس کے قریب آ گیا۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہاں کے ملازموں میں سے ہی ہے۔

"فرمایئے جناب۔" اس نے ادب سے پوچھا۔

"ریٹائرنگ روم کدھر ہے؟"

"آپ شاید پہلی بار یہاں آئے ہیں۔ کسی سے ملنا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں۔ ایسی ہی بات ہے۔"

"مگر اس وقت وہاں کون ہو گا؟ پول تو بند ہے۔"

"مگر مجھے اس نے وہیں اور اسی وقت ملنے کا وعدہ کیا ہے۔" شوکت نے کہا اور پھر جیب سے پانچ روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"ریٹائرنگ روم تو اس طرف میدان کے اس کونے پر ہے۔ وہ جو دروازے پر ایک ہری بتی جل رہی ہے۔" اس نے اشارے سے بتایا۔

"رات کے لیے اس سے پرائیوٹ جگہ اور نہیں ملے گی، صاحب۔"

"اچھا اچھا، شکریہ۔"

شوکت یہ کہتا ہوا اس کی بتائی ہوئی سمت کو بڑھ گیا۔

ریٹائرنگ روم واقعی بند تھا اور پول بھی بند ہو چکا تھا۔ اس کے پاس بھی کوئی آدمی اسے نظر نہ آیا۔ چاروں طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا، صرف دور کلب کے دوسرے حلقے سے کچھ مدھم قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں، جن کے ساتھ کچھ موسیقی کا شور بھی شامل تھا۔

شوکت نے یہاں پہنچ کر کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اس میں ساڑھے ۸ بج کر ایک منٹ زیادہ ہو چکا تھا۔ ریٹائرنگ روم پول کے بیرونی حصے میں تھا اور پول اس عمارتی احاطے کے مغربی سرے میں واقع تھا۔ دروازے پر صرف ایک مدھم سی ہری روشنی موجود تھی اور اس کی روشنی کے ہالے کے آس پاس تاریکی تھی۔

"تم آ گئے؟" اسے سرگوشی کرتی ہوئی ایک باریک سی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ اسے تاریکی میں لچکتا ہوا ایک سایہ ابھرتا نظر آیا اور پھر سبز اسکرٹ نے اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا کر دی۔ اس کے لباس کی سرسراہٹ نے شوکت کے رونگٹے کھڑے کر دیے اور ایک خوشگوار سی مہک اس کے شامہ سے ٹکرا کر اسے بیخود سا کرنے لگی۔

پھر وہ حسین چہرہ سیاہ بدلی کی اوٹ سے ابھرنے والے چاند کی طرح اس کے سامنے آ گیا۔ شوکت بھونچکا سا ہو کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ شاید وہ اسے دیوانہ بنا دینے کے تمام ہتھیاروں سے سج کر آئی تھی۔ چست بھڑکیلا لباس جس کے اوپری حصے سے سینے کا کچھ حصہ اور گوری گوری باہیں جھانک رہی تھیں اور نچلے حصے سے سفید سفید سڈول پنڈلیاں۔ پیروں میں سرخ فیتوں والے سینڈل تھے، جن میں اس کے گورے پیر چمک رہے تھے۔ اس کے کانوں میں سرخ چمکدار رنگوں والے ٹاپس تھے اور ہونٹوں پر شوخ لالی۔ اس کے مسکراتے ہی شوکت کے خرمن ہوش پر بجلی گر پڑی۔

”آپ سچ مچ... تمہیں یانی سچ مچ آ گئیں؟“ وہ بدقت کہہ سکا۔

”کیوں نہ آتی، تمہارے جذبات میں بھی بلا کی کشش ہے۔ میں اس دن سے ابھی تک آپ کی التجا کرتی ہوئی نگاہوں کو بھول نہیں سکی ہوں۔“ اس نے شوکت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ کہتے ہوئے اسے اور از خود رفتہ کر دیا۔

”اللہ قسم...؟“ شوکت کو جیسے اس کے الفاظ پر یقین نہیں آیا۔

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے، آدمی اگر کسی کو شدت سے چاہے تو اس پر اثر ضرور ہوتا ہے۔“ کیلی نے آہستہ سے کہا۔

”جیاں، میں نے بھی ایک کتاب میں پڑھا تھا۔“

”صرف کتاب میں...؟ خیر، اس وقت تو دیکھ ہی رہے ہیں۔“

”مجھے تو ایسا اپنی آنکھوں پے یقین نہیں آ رہا ہے۔“

”اور اب؟“ اس نے ہولے سے شوکت کے ایک گال پر چٹکی دی۔

”اس پر تو مجھے ایک شاعر کا شعر یاد آ گیا۔“ وہ کسی کنواری لڑکی کی سی ادا میں شرماتے ہوئے بولا۔

”کیا...؟“ وہ اس کے قریب ہو کر اس کے جذبات میں اور طوفان اٹھانے لگی۔

”یانی میں نے کہا تھا کہ... کہ... اور بھی اثر ہو چلا ہے چپکے چپکے۔“

شوکت نے بالآخر شعر کہہ ہی ڈالا۔ وہ اپنی ہنسی روک کر رہ گئی۔

”سچ؟“

”کیا ہماری یہ ملاقات اس کا ثبوت نہیں ہے؟“

”ثبوت تو ہے۔“

”آؤ، ادھر پول کے بینچ میں بیٹھیں گے۔“ وہ خود ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگی اور شوکت کسی فرمانبردار سامی کی طرح اس کے ساتھ ہو لیا۔

اس باغیچے میں پہنچ کر وہ ہری ہری دوب پر بیٹھ گئے۔ لڑکی نے یہاں اپنے بیگ سے ایک چھوٹی سی بوتل نکالی۔

”برانڈی پیو گے؟ مجھے تو کچھ سردی کی شکایت ہے، اس لیے ڈاکٹر نے پینے کی ہدایت کی ہے۔“ وہ اسے کھولتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں شراب مراب نہیں پیتا۔“ شوکت نے بات ٹالنی چاہی۔

”برانڈی شراب تھوڑی ہوتی ہے، یہ تو بھوک بڑھانے اور سینہ گرم رکھنے کی ٹانک ہے۔“ اس نے اصرار کیا۔

”نہیں، مگر...“ شوکت نے پھر کہنا چاہا۔

”میری خاطر۔“

”آپ کی خاطر تو میں ڈونگرے کا بال امرت بھی پی لوں گا، یہ کیا چیز ہے سالی۔“

”تو پھر لو۔“ یہ کہہ کر اس نے فوراً ہی بوتل شوکت کے ہونٹوں سے لگا دی۔ شوکت کو پینا پڑا۔ برانڈی اچھی اور زیادہ تلخ نہ تھی، لیکن زود اثر بہت تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں شوکت کو سرور محسوس ہونے لگا۔

”بھوت اچھی لانڈری نہیں، یانی برانڈی تھی یہ۔“ اس نے تعریف کی۔ ”آپ بھی اللہ قسم بھوت اچھی ہیں۔“

”یہ آپ آپ کیا لگا رکھی ہے، تم کہتے شرم آتی ہے کیا؟“

”ہائے تم، سالا کتنا پیارا لفظ ہے تم... مگر تمہارا نام کیا ہے؟“

”ڈروتھی۔“

”دو روٹی...؟ واہ، دو روٹی کیوں؟ کچھ مرغ مسلم یا تنجن پلاؤ رکھا ہوتا؟ این... ٹھیک کے ریا ہوں نا؟“

”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ لڑکی نے ادھر ادھر خوفزدہ سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"کہیں تمہارا وہ دوست نہ آجائے۔ اس طرح گھورتا ہے مجھے جیسے کھا جائے گا۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"ارے نہیں۔ وہ تو ان سالوں کی عادت ہوتی ہے۔ یہ ساب کو اسی طرح غھورتے ہیں۔ یانی ہر چیز میں اسرار کی دم نکالتے ہیں۔"

"تم کس کا ذکر کر رہے ہو؟" لڑکی نے انجان بن کر پوچھا۔

"اے لو، بالے بھائی کا اور قس کا... ہچ... یانی میرا اوئی دوست۔ دوست موست کاے کا، کہیں پولیس والے بھی کسی کے دوست ہوتے ہیں۔" شوکت بہکنے لگا۔

"پولیس والے؟ تو کیا وہ پولیس کا آدمی ہے؟"

"ایں...؟ ہاں، مگر یونہی سارجنٹ مارجنٹ ہے۔ کوئی بھوت شاندار افسر نہیں ہے۔"

"اوہ، تب تو ٹھیک ہے، میں تو اس کو بدمعاش یا ڈاکو سمجھی تھی۔"

"اے لو، کمال ہے۔ یانی وہ بھی تمہیں کوئی ڈاکو کی لڑکی ہی سمجھا تھا۔ یانی جیسے تم بھوت خچرناک (خطرناک) کوئی ہو۔ ہچ... ارے واوا، یہ برانڈی سالی خوب مزا دے رہی ہے۔"

"تب تو ہم دونوں کو دھوکا ہوا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی دھوکا ہوا کرے۔ اب چھوڑو نا اس رقیب روسیاہ کا ذکر۔ ہائے دیکھو نا کیسا موسم بہار ہے۔ ہچ... یہ باغیاغ ہے کہ جنت کا گماشتہ... نہیں کیا بولا... وہ یانی کی کیا کہتے ہیں... ہاں... جنت کا گوشتہ کہ گوشہ موشہ... ہچ... اور تم... توم حورحتا ہو، مگر وہ جنوں والی جنا یانی کسی جن کی مادہ نہیں، ہاں۔"

"ڈیئر تم کو نشہ ہو گیا ہے۔"

”ہوشت، ارے یہ تو سرور ہے۔ اسی میں تو مزا آتا ہے۔“

”اور اگر تمہارا دوست آ گیا تو؟“

”لو، پھر نام لیا تم نے، رقیب روسیا کا۔ بھلا وہ کائے کو مرے گا یہاں۔ وہ تو انڈیا لاج میں... ہمب...“ وہ کہتے کہتے اچانک رک گیا اور ایک ہاتھ سے اپنا منہ بند کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

گرفتاری

"تم مجھ سے کچھ چھپانا چاہتے ہو شاید؟" وہ روٹھنے جیسے انداز میں بولی۔

"ارے نہیں، اللہ قسم۔ وہ تو یانی، اچھا اچھا، روٹھو نہیں ... یوچ ... اور اس نے بھی تو تمہیں کوئی ڈاکو کی لڑکی سمجھ کے ہی چھپایا تھا۔ ڈاکو کی لڑکی نہیں ... ہاں شاید کسی سرمر کی سکریٹری سمجھ کے۔ یچ ... اب تم وہ تو ہو نہیں، پھر کاہے کا ڈر۔"

"غلط فہمی ہوئی ہوگی تمہارے دوست کو۔"

"اور نہیں تو کیا۔ بھلا اتنی اچھی جھصورت اور ... یچ ... اور ایسی دل نشین دل افزا کوئی غلط ملط لڑکی ہو سکتی ہے۔"

"مگر وہ انڈیا لاج میں کیوں پڑا ہے؟ تم سے کیوں الگ ہو گیا؟"

"اب میں کیا جانوں اس کی تکڑم بازی۔ ہوگی کوئی سراغ رسانی اس میں بھی۔"

"تو یوں کہو کہ وہ سراغ رساں ہے کوئی۔"

"بھوت بڑے سراغ رساں کا اسسٹنٹ ہے۔"

"خیر ہوگا، مگر اس وقت کہاں ہے وہ؟"

"کیوں؟ تمہیں کاہے کو بار بار اس کا خیال آ رہا ہے؟ یچ ... یانی کیوں؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ جھصورت، یانی ہینڈسم ہے؟" شوکت اسے بدگمانی کی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"توبہ کرو، کہاں تم، اتنے رعب دار، اتنے شاندار ڈیل ڈول کے اور کہاں وہ مچھر جیسا۔"

"نہیں تو کیا، ارے مچھر تو پھر بھی اچھا ہوتا ہے ... یچ ... ہی ہی ہی ..." شوکت نے اپنی تعریف سننے کے ساتھ بتیسی کھول دی۔

"تم بمبئی سے آئے ہو نا؟"

"ہاں ۔ ہم دونوں وہیں سے آئے ہیں اور وہیں جائیں گے ۔ ہچ ... بقول شاعر،

ع سب کو جانا ہے وہیں ایک دن جہاں سے آئے تھے ۔"

"بہت اچھا شعر ہے ۔" اس نے مسکرا کر تعریف کی ۔

"وہ تو میں شاعری کرتا نہیں، ہچ ... نہیں تو شیری بھوپالی تو کہ رہے تھے کہ میاں آپ اچھورالشعرا بن سکتے ہو ۔ یانی سب شاعروں کے ابِ لعاب ۔"

"اچھا ڈیئر، وقت بہت ہو گیا ہے، ہم پھر کبھی ملیں گے ۔" وہ یہ کہہ کر اٹھنے لگی ۔

"اے لو، یانی اِتّی جلدی؟ بقول شاعر ع کبھی آئے کبھی اٹھے بیٹھے اور کبھی دامن سنبھالا ہے ۔"

"کل ہم پھر اسی جگہ ملیں گے، ورنہ زیادہ دیر ہونے پر ڈیڈی خفا ہو جائیں گے ۔"

"اللہ جانے یہ ڈیڈی لوگ کائے کو پیدا ہو جاتے ہیں سالے، اچھا ۔"

"لو، یہ تھوڑی سی بچی ہے اسے بھی پی لو ۔" اس نے ایک اور شیشی وینٹی بیگ سے نکال کر اسے تھما دی ۔

"لاؤ لاؤ، آج تو میں عمر خیام ہوں اور تو م میری ساقی خرابے پے خرابے الٹا دو ۔ ہچ ... کہ میں میخانہ نہیں، برانڈی خانا بن جاؤں ۔" یہ کہہ کر شوکت اسے بھی خالی کر گیا ۔ اس کے حلق سے اترتے ہی اس کی کھوپڑی ہوا ہو گئی ۔ جو رہی سہی سدھ بدھ تھی اس کا بھی نشان نہ رہا اور اسے جھٹکے آنے لگے ۔ اس نے آنکھیں موند لیں اور جھومتے ہوئے کسی اندھے کی طرح لڑکی کو ٹٹولنے لگا ۔

"اے لو، کیا چلی گئیں؟ ہچ ... آجاؤ نا ۔ نہیں تو دیکھو ... میں انمول گھوڑی کا گانا ... ہچ ... گانے لگوں گا ... ہچ ... ارے آواز دو تم کہاں ہو، میری دنی اجہاں ہو، ہچ ... آواز ... آ ... آ ..."

اس سے زیادہ وہ کچھ بک بھی نہ سکا اور ہری ہری گھاس پر اوندھا ہو گیا ۔ کیلی تیز تیز

قدم اٹھاتی ہوئی باغیچے سے نکل کر درمیانی میدان کو عبور کرتی کلب کی طرف جا رہی تھی کہ اندھیرے میں ایک ٹارچ کی روشنی تمتماتی ہوئی اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ بوکھلا گئی۔ کلب یا پول کے ممبروں میں تو کوئی اس بدتمیزی کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ سب مہذب لوگ تھے۔ پھر...؟ اور دوسرے لمحے اپنے سامنے دو پولیس افسر کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"آپ اس طرف اندھیرے میں کیا کر رہی تھیں؟" ان میں سے ایک نے جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی اس کے منہ پر دوبارہ روشنی ڈال کر پوچھا۔

"میں...م...میں تفریح کر رہی تھی ذرا ادھر پارک میں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"پارک میں...؟ اکیلی...؟ اور اس وقت؟" دوسرے پولیس افسر نے اسے شبے کی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ یہاں کی ممبر ہیں؟" پہلے پولیس افسر نے بھی سوال کر ڈالا۔

"آپ کا شناختی کارڈ کہاں ہے؟" دوسرا بھی اس کے ساتھ بول اٹھا اور وہ ان پے درپے سوالات سے گھبرا گئی۔

"میں یہاں کی مستقل ممبر نہیں ہوں، لیکن میرے پاس پاس ہے۔" وہ کہنے لگی۔

"دکھایئے۔"

"پپ پاس...وہ...یعنی، خیر، ڈھونڈتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا وینٹی بیگ ٹٹولا اور پھر اس میں سے ایک کارڈ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ اس پر لڑکی کا نام ڈروتھی ہی لکھا تھا اور یہ مہمان والا پاس کلب کے کسی ممبر مسٹر فرنانڈیس کی معرفت جاری کیا گیا تھا۔

"خیر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ آپ کلب کو چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں اکیلی اس سونی جگہ کیوں بھٹک رہی تھیں؟" پہلا پولیس افسر لہجے کو کسی قدر نرم کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”تنہائی میں سیر کرنے سے مجھے سکون ملتا ہے۔“

”اس قسم کے مقامات تو یہاں سے باہر بہتیرے ہیں۔“

”مگر آپ مجھ سے اس قسم کے سوالات کیوں کر رہے ہیں؟“ وہ سنبھل کر اور لہجے میں کسی قدر خفگی پیدا کرتی ہوئی بولی۔

”اس لیے کہ ابھی ابھی یہاں خفیہ پولیس کے ایک آفیسر کا خون ہو گیا ہے اور آپ کے سوا ہمیں کوئی بھی اس چہار دیواری میں مشتبہ حالت میں ٹہلتے ہوا نہیں ملا۔“ اس پولیس افسر نے بتایا۔

”اوہ، تو آپ لوگ مجھ پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں۔“

”بالعموم پولیس پہلے شبہ ہی کرتی ہے، پھر اس کی تحقیق اور پھر اس کی توثیق یا تردید۔
بہر حال آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔“

”عجیب مصیبت ہے، یہ کوئی زبردستی ہے کیا۔“

”اس کا جواب بھی وہیں آپ کو مل سکے گا۔“

وہ ابھی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ایک طرف سے کچھ پولیس کے کانسٹیبل آ پہنچے اور انھیں دیکھ کر اٹینشن ہو گئے۔

”سر، ہمیں تو کچھ نہیں ملا۔“

لیکن وہ ابھی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ایک طرف سے ایک دوسرا کانسٹیبل گھبرایا ہوا سا آ پہنچا۔ اس سے کچھ فاصلے پر دو کانسٹیبل اور تھے جو پیچھے پیچھے شوکت کو دونوں بازوؤں سے تھامے چلے آ رہے تھے۔ شوکت کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اس پر نشہ اب تک طاری تھا۔

”سر، یہ آدمی پارک میں بیہوش پڑا تھا۔“ آنے والے کانسٹیبل نے پیچھے لائے جاتے ہوئے شوکت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ افسر نے شوکت کے منہ پر ٹارچ سے روشنی ڈالی اور چونک پڑا۔

"ارے، یہ تو وہی ہے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کون مسر؟" ہیڈ کانسٹیبل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہوٹل ڈی ولرا والا۔ اسی کے چھوڑے ہوئے کمرے میں وہ دو موتیں وقع ہوئی تھیں۔" انسپکٹر نے کہا۔

"اور تیسری یہاں۔" ہیڈ کانسٹیبل شوکت کو گھورتے ہوئے بولا۔

"کیا ہے؟ کاہے کو مجھے... مجھے فرمایا ہے، ایں؟" شوکت نے مچ مچی آنکھوں سے انسپکٹر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم قانون کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے، مسٹر۔" انسپکٹر نے اپنے ہونٹ چباتے ہوئے غصے میں بولا۔

"میں کیوں جھونکوں؟ کوئی میں خاکسار... نہیں... یانی کہ خاکروب ہوں۔ ارے واہ، اور کس کی آنکھ میں کہا تم نے؟"

"قانون کی آنکھ میں؟" لڑکی اس موقع پر اس سے بولے بغیر نہ رہی۔

"یہ قان... نون کی آنکھ کدر ہوتی ہے... ہچ؟"

"تمہارے سر میں۔" انسپکٹر نے ڈانٹنے والے لہجے میں کہا۔

"میرے سر میں...؟ اے مسٹر، کوئی میں نشے میں تھیں ہوں... آں۔ سر میں آنکھ ہو ای نہیں سکتی، ہچ۔"

"لے کے چلو ان دونوں کو۔" انسپکٹر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور خود آگے ہو لیا۔ لڑکی خود ہی ساتھ چلنے لگی، لیکن شوکت کو دھکیلنا پڑا۔

"اے مسٹر حوالدار، ذرا شرافت سے ہاں، نہیں تو میں ہتک میں عزت کا دوا کر دوں گا، کیا سمجھے... ہچ۔ پیارے، میں بھوت موز آدمی ہوں، سمجھے؟ کیا سمجھے ایں؟"

"کچھ نہیں سمجھے، سیدھے چلو۔" کانسٹیبل نے دھکیلا۔

"اے لو، اے سالو، دھکا کائے کو دیتے ہو۔ دیکھو ڈارلنگ دوروٹی، تم بھی کائے کو نئیں بولتیں کوچھ۔"

لیکن وہ خود چکر میں تھی، وہ کیا جواب دیتی۔ انسپکٹر کے موڈ سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے اصل مجرم کو پکڑ لیا ہے اور اب شوکت کو پھانسی پر چڑھوا کر ہی دم لے گا۔

پھر وہ کلب کے عقبی حصے کے نزدیک پہنچ کر رک گئے۔ یہاں بہت سے آدمیوں کی بھیڑ تھی اور ایک پولیس کار کی ہیڈ لائٹس اس طرح آن رکھی گئی تھیں کہ زمین پر پڑی ہوئی لاش اس کی روشنی کے دائرے میں صاف نظر آ رہی تھی۔ ایک پولیس فوٹو گرافر جو شاید تصویریں لے کر فارغ ہو چکا تھا، سرہانے کھڑا تھا اور ایک سینئر پولیس آفیسر جو قد آور اور تندرست آدمی تھا اپنی مونچھوں کو بل دے دے کر مجمع کو بار بار گھور رہا تھا۔ یہ کلب کے ممبر ہی تھے اور کیونکہ لباس اور طور طریق سے مہذب لوگ نظر آتے تھے، اس لیے وہ انھیں جھڑکیاں نہیں دے سکتا تھا صرف گھور گھور کر مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس لاش کو دیکھ کر شوکت کا نشہ کافی حد تک کافور ہو گیا اور وہ پوری کوشش سے اپنی آنکھیں کھول کر غور سے اسے دیکھنے لگا۔

"مر گیا...؟ کائے کو...؟ کب...؟

"یہ سب کچھ اسی آدمی کا چکر معلوم ہوتا ہے، سر۔" انسپکٹر نے سینئر آفیسر، جو شاید سپرنٹنڈنٹ تھا، شوکت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ وہی آدمی ہے ڈی ولرا والا۔"

"ہُم...؟" سپرنٹنڈنت یہ کہہ کر شوکت کو غور سے دیکھنے لگا۔

"ارے نئیں، اللہ قسم، میرا کوئی چکر نئیں ہے۔ میں بدنصیب تو خود اسی چکر میں ہوں۔"

شوکت کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ "لانت ہے ایسی دوستی موستی پے۔"

"تم انھیں پہنچانتے ہو؟" سپرنٹنڈنٹ نے لاش کی طرف اشارہ کر کے شوکت سے

پوچھا۔

"میں تو خود بیچارا ایک اجنبی ہوں اس شہر میں، میں کسی کو کیا جانوں جنواؤں۔"

"غور سے دیکھو۔" سپرنٹنڈنٹ کا لہجہ تلخ ہوگیا اور شوکت نے موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے اسی میں عافیت سمجھی کہ جہاں تک ممکن ہو زبان قابو میں رہے۔ وہ جھک کر اس لاش کو دیکھنے لگا، مگر اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے کے بعد وہ اچھل سا پڑا۔

"ارے یہ تو وئی ہے سالا۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کون؟" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"یہ ہوٹل سے میرا پیچھا کر رہا تھا۔"

"مگر کون ہے یہ تم جانتے ہو اسے؟"

"خدا نہ جنوائے ایسوں کو، ہوشت۔ ہوگا کوئی جیب کترا سیب کترا۔" شوکت نے سیدھے ہوتے ہوئے کسی قدر نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"جیب کترا نہیں، یہ ایک سی آئی ڈی آفیسر ہے اور اس کی موت کے ذمے دار تم ہو۔ یہ تمہاری ہی نگرانی کر رہا تھا۔ تمہارا کیرکٹر شروع سے ہمارے لیے مشکوک رہا ہے۔" سپرنٹنڈنٹ کے لہجے میں کرختگی آ گئی۔

"اللہ قسم، آپ جو چاہو قسم لے لو، میں کچھ نہیں جانتا۔ بس اِتا مالوم ہے کہ ہوٹل سے یہ میرا پیچھا کر رہا تھا۔" شوکت نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم یہاں کیا کرنے آئے تھے؟" سپرنٹنڈنٹ نے سوال کیا۔ جس کے جواب میں شوکت نے کچھ ایسے شرمائے ہوئے سے انداز میں کیلی کی طرف دیکھا کہ اگر معاملات اتنی سنجیدہ اور سنسنی خیز نوعیت کے نہ ہوتے تو وہ شوکت کو یقیناً کوئی کارٹون ہی قرار دیتے۔

"یہ ہمارا پرائیویٹ تھا۔" شوکت نے بمشکل کہا اور کسی کنواری لڑکی کی طرح بارِ حیا سے سر جھکا لیا۔

"یہ صحیح ہے۔" کیلی نے جلدی سے کہا۔ "ہم پارک میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔"

"اگر یہ مان بھی لیا جائے تو سارجنٹ کی موت قدرتی موت نہیں ہے۔ اس لاش کی جو کیفیت ہے وہ بتا رہی ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے یا پھر کسی طرح بھی کوئی فوری اثر والی چیز اس کے جسم کے اندر پہنچائی گئی ہے۔"

"سر، ان دونوں لاشوں کی بھی یہی کیفیت تھی جو ڈی ولرا سے برآمد ہوئی تھیں۔" انسپکٹر نے لقمہ دیا۔

"ان واقعات کا تعلق ضرور اس آدمی سے ہے۔ ان دونوں کو پولیس ہیڈ کوارٹرز لے چلیے۔" سپرنٹنڈنٹ نے اسے حکم دیا اور اس نے کانسٹیبلوں کو اشارہ کر دیا۔

"تمہارے اوپر اللہ کا عذاب نازل ہوگا، بے گناہوں کو ستاؤ گے تو، ہاں۔ سمجھ لو۔" شوکت نے انھیں آخری دھمکی دی۔

"لے جاؤ انھیں۔" سپرنٹنڈنٹ چیخا اور کانسٹیبل نے شوکت کو بازو سے تھام کر پولیس کار کی طرف لے جانے لگے۔ لڑکی نے چپ سادھ لی تھی اور اس کا چہرہ اس وقت زرد سا پڑ گیا تھا، جس وقت اسے یہ معلوم ہوا کہ مرنے والا ایک مقامی سی آئی ڈی آفیسر تھا۔ وہ ان کے ساتھ خاموشی سے سر جھکائے چلنے لگی۔

"یہاں کے ممبروں کے علاوہ اس وقت جو مہمان یا باہر کے آدمی موجود ہوں ان کے نام اور پتے نوٹ کر لیجیے۔" سپرنٹنڈنٹ نے اسے ہدایت کی۔

"او کے سر۔"

"اس موت کے بارے میں کوئی شہادت نہیں مل سکی؟"

"نو سر۔ کسی نے بھی انھیں گرتے نہیں دیکھا اور ویسے بھی یہ چھپ کر اس آدمی کا پیچھا کر رہے تھے۔" انسپکٹر نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ موتیں کس قسم کی ہیں۔ اگر یہ کسی خارجی حملے کا اثر ہیں تو

ایسی کیس چیز ہو سکتی ہے؟ نہ بدن پر زخم، نہ چیخ نہ پکار، نہ مار پیٹ۔" وہ بڑبڑایا۔

"شہر میں بڑی سنسنی پھیل رہی ہے ان واقعات سے۔" انسپکٹر بولا۔

"قدرتی بات ہے۔" سپرنٹنڈنٹ دروازے کی طرف چلتا ہوا بولا۔ اور انسپکٹر وہیں ٹھہر کر کلب کے ممبروں سے دوسرے سوالات کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

لنگڑا

وہ لنگڑاتا ہوا چل رہا تھا پھر بھی اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے عمل میں آیا تھا کہ کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ وہ سی آئی ڈی آفیسر جب شوکت کا پیچھا کرتا ہوا کلب کے عقبی حصے میں پہنچا تھا، اس وقت وہ کلب کے دروازے سے نکل کر اس کے قریب سے گزرا تھا اور بس۔ پھر وہ اپنی چھڑی گھماتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا اور کسی نے اسے دیکھا تک نہیں، لیکن جیسے وہ کوئی موت کا فرشتہ تھا کہ اس کا سایہ پڑتے ہی وہ آفیسر وہیں گر پڑا اور اس کے حلق سے کچھ عجیب سی پھنسی پھنسی آوازیں نکلنے لگیں۔ اسے سرد ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ اس کی لاش تو بعد میں دیکھی گئی۔

باہر آ کر وہ بڑے اطمینان سے اپنی چھڑی ٹیکتا ہوا فٹ پاتھ پر چلنے لگا، لیکن اس کی نگاہیں اپنے اطراف کا جائزہ لیتی چل رہی تھیں۔ رات کا وقت ہونے کی وجہ سے کیونکہ تاریکی روشنی پر غالب تھی اس لیے اس کے سیاہ لباس میں کبھی وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا اور کبھی نظر آنے لگتا۔ پھر وہ ایک بینچ پر بیٹھتا نظر آیا جو فٹ پاتھ کے کنارے ہی نصب کی ہوئی تھی۔ اپنے کوٹ کے کالر چڑھا کر چہرے کو نصف چھپائے ہوئے وہ اس بینچ پر اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا، لیکن اس کی نگاہیں اس وقت سوئمنگ پول کے دروازے کی طرف تھیں۔ لیکن اسی وقت وہ ایک نوجوان سے آدمی کو اپنی طرف آتا دیکھ کر چونک سا پڑا۔ یہ لباس اور شکل سے کوئی بدقماش آوارہ سا آدمی لگتا تھا۔ اس نے چیتوں دار آستینوں والی بنیان اور اونچے پائچوں والی ایک سیاہ پتلون پہنی ہوئی تھی۔ داہنے ہاتھ کی کلائی پر چمڑے کا ایک پٹہ بندھا ہوا تھا اور پیروں میں پشاوری سینڈل تھے۔ وہ ایک ہاتھ میں چنے کی پڑیا لیے دوسرے ہاتھ سے چنے کے دانے پھانک رہا تھا۔ اس آدمی کے قریب آ کر اس نے ذرا سا جھک کر اس کی طرف دیکھا، پھر وہیں بینچ پر بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کا

انداز کچھ ایسا تھا جیسے یہ پورا علاقہ اس کی اپنی جاگیر ہو۔

"بابو جی چنے۔" اس نے چنے کی پڑیا اس آدمی کی طرف بڑھا دی۔

"نہیں۔" اس نے غضبناک سے لہجے میں جواب دیا۔ شاید اسے یہ بے تکلفی سخت ناگوار گزری تھی۔

"بابو جی، کچھ کھانے پینے کو مانگتا۔ سنترہ سات روپے، باس وانچ دس روپے اور انگلش مانگتا تو انگلش بھی ملے گی۔" نوجوان نے اس کے بگڑے ہوئے موڈ کا اثر لیے بغیر کہا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے، تم اپنا کام کرو۔"

"اپنا تو کام یہی ہے صاحب۔ آج تو کچھ بھی دھندا نہیں ہوا۔ آپ ملے وہ بھی خسکے۔"

"کیا مجھے پولیس کو بلانا پڑے گا؟"

"ناراض کیوں ہوتے ہیں صاحب، نہیں چاہیے تو کوئی اور سہی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور تم نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی، بلند آواز میں گاتا ہوا عقبی تاریکی کی طرف چل دیا۔ وہ لنگڑا آدمی کچھ دیر تک اسے گھورتا رہا، پھر کسی کار کے بریک لگنے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ یہ ایک سیاہ رنگ کی بیوک تھی جو بریک لگا کر وہیں سڑک پر روکی گئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ لنگڑا آدمی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کار کا پچھلا دروازہ آپ سے آپ کھل گیا اور وہ اندر بیٹھ گیا۔ کار روانہ ہو گئی۔

"اتنی دیر کیوں ہوئی؟" لنگڑے آدمی نے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے لہجے میں کار چلانے والے سے پوچھا۔

"مجھے تو یہی وقت دیا گیا تھا اور میں فٹ پاتھ کی تمام بینچیں دیکھتا آ رہا ہوں۔" کار چلانے والے نے پیچھے دیکھے بغیر جواب دیا۔

کار جب ایک فرلانگ سے زیادہ دور نکل چکی ہوگی، اس وقت ایک ٹیکسی سڑک پر پھیلی ہوئی دھندلے روشنی سے نمودار ہو کر اس مقام پر رک گئی۔ فٹ پاتھ کے پیچھے پول کے

بیرونی میدان کی تاریکی سے ایک انسانی سایہ نمودار ہوا۔ یہ وہی غنڈہ قسم کا نوجوان تھا۔ وہ تیزی سے فٹ پاتھ کو عبور کرتا ہوا اس ٹیکسی میں جا بیٹھا اور دروازہ بند کرلیا اور ٹیکسی بھی اسی راستے پر چل پڑی۔ کافی آگے جا کر انھیں وہ بیوک کار داہنی طرف گھومتی نظر آئی۔

''میں اس راستے کا شارٹ کٹ جانتا ہوں۔'' ٹیکسی چلانے والے نے کہا۔

''تو کٹ کرو نا۔'' اس نے جواب دیا۔

اور چند منٹ کے بعد ہی وہ ایک تنگ سی سڑک سے گزر کر مین روڈ پر اس کار کے قریب نکل چکے تھے۔ لیکن شاید کار میں موجود آدمیوں کو اس تعاقب کا گمان نہ تھا۔

ایک سہ راہے پر پہنچ کر اس کار کی رفتار سست پڑ گئی اور پھر وہ تیسری سڑک میں گھوم گئی۔ یہاں کئی کئی منزلوں والی بلند عمارتیں تھیں جو سب کی سب رہائشی تھیں اور کیونکہ فلیٹ سسٹم تھیں، اس لیے ان کے رہنے والے متمول طبقے کے ہی لوگ تھے۔ اس علاقے میں صفائی اور کشادگی بھی خاصی نظر آتی تھی اور سڑک کے کنارے کہیں کوئی غیر ضروری بھیڑ یا چہل پہل بھی نہ تھی۔ کہیں کہیں فٹ پاتھ کے نزدیک کاریں بھی کھڑی نظر آ رہی تھیں اور رات کے اس حصے میں بھی مکانوں کی کھڑکیاں روشن تھیں۔ وہ کار ایک جگہ فٹ پاتھ کے کنارے روک دی گئی اور اس کے رکتے ہی اس میں سے وہ لنگڑا آدمی اتر پڑا۔ اس نے پہلے ہی وہ ٹیکسی ایک جگہ رک چکی تھی اور اس کی روشنی بجھا دی گئی تھی۔ اس لنگڑے کے عمارت میں داخل ہوتے ہی وہ کار پھر اسٹارٹ ہوئی اور چل پڑی۔

''تم اس کار کا پیچھا کرو، میں یہاں دیکھتا ہوں۔'' بدمعاش قسم کے نوجوان نے ٹیکسی سے اترتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اور وہ اثبات میں سر ہلا کر انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔

ٹیکسی کے روانہ ہونے کے بعد وہ بھی دیوار کے سہارے چلتا ہوا اس عمارت کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہاں کوئی دربان وغیرہ بھی موجود نہ تھا اور اسی پر موقوف نہیں، شاید یہاں کسی بھی عمارت کے دروازے پر دربان نہیں تھا۔ ممکن ہے شب گشت چوکیدار مقرر رہو۔ وہ کچھ

دیر تک وہیں کھڑا دیکھتا رہا، پھر جیسے ہی اسے تیسری منزل پر ایک فلیٹ کی بند کھڑکیاں کھلتی اور اندر روشنی ہوتی نظر آئی ۔ وہ گردوپیش کا جائزہ لے کر اندر داخل ہو گیا ۔

☆☆☆☆☆☆

خود شہر کا انچارج پولیس سپرنٹنڈنٹ اس وقت پلیٹ فارم پر موجود تھا ۔ گاڑی آنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے ۔ پولیس کے کچھ دوسرے آفیسر بھی پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے ۔ گاڑی اپنے وقت پر آئی اور وہ فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے ڈبے تلاش کرنے لگے ۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، سپرنٹنڈنٹ کے چہرے پر پریشانی کے آثار بڑھتے گئے ۔

"تم نے سب ڈبے دیکھ لیے نا ٹھیک سے؟" ایس پی نے ایک انسپکٹر سے پوچھا ۔

"یس سر ۔ اور ویسے بھی فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے صرف گیارہ مسافر اسٹیشن پر اترے ہیں ۔"

"تعجب ہے، اطلاع تو یہی تھی کہ وہ آج ہی پہنچ رہے ہیں ۔"

"ممکن ہے طیارے سے..."

"دماغ تو نہیں خراب ہوا ہے تمہارا، ہمارے یہاں کے لیے کونسی فضائی سروس چلتی ہے؟"

"تو شاید کسی وجہ سے نہ آسکے ہوں ۔" انسپکٹر نے کہا ۔

وہ ابھی گفتگو ہی کر رہے تھے کہ سپرنٹنڈنٹ کی نظر ایک پہچانی ہوئی شخصیت پر پڑ گئی ۔ وہ آدمی کچھ دور پلیٹ فارم پر کھڑا ہوا تھا ۔ اس نے ایک گرم سوٹ پہن رکھا تھا ۔ چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی تھی، جس کے بال قدرے بھورے تھے ۔ رنگ نکھرتا ہوا اور قویٰ مضبوط نظر آتے تھے ۔ عمر میں وہ چالیس پینتالیس کے لگ بھگ رہا ہوگا ۔ سپرنٹنڈنٹ سے نظریں ملتے ہی وہ خود اس کی طرف متوجہ ہو گیا ۔

""""ہیلو، مسٹر صادق۔" وہ سپرنٹنڈنٹ سے مخاطب ہوا۔

"اوہو، فرنانڈیس صاحب۔" سپرنٹنڈنٹ نے یہ کہتے ہوئے اس کی طرف مصافحے کے کا ہاتھ بڑھلیا۔

"کہیے یہاں کیسے؟" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"میرے ایک عزیز کلکتے سے آرہے تھے، انھیں ریسو کرنے آیا تھا۔"

"اور وہ نہیں آئیں ہوں گے۔" سپرنٹنڈنٹ مسکرایا۔

"تقریباً یہی ہو سکتا ہے، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس ٹرین سے نہ اترتے۔"

"اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے سر ہلایا۔ پھر وہ اپنے ماتحتوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"ایک بار اور دیکھ لو، ممکن ہے وہ پلیٹ فارم پر ہمیں تلاش کر رہے ہوں۔"

اس کے ماتحت اس کے گرم مزاج سے واقف تھے، اس لیے یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ اس ٹرین کے کسی فرسٹ لیس سیکنڈ کلاس سے وہ مطلوبہ شخصیت نہیں اتری ہے، جس کے لیے وہ یہاں آئے ہیں، انھوں نے انکار یا بحث کی جرأت نہ کی اور منتشر ہو گئے۔

"کیا معاملہ ہے؟" فرنانڈیس نے ایس پی سے پوچھا۔

"ایک سینئر آفیسر کو ریسو کرنا تھا، مگر کچھ ایسا ہی معاملہ نظر آتا ہے جیسا آپ کا ہے۔" ایس پی نے جواب دیا۔

"ہوتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔" فرنانڈیس بھی ہنس دیا۔

اتنے میں ایس پی کے ماتحت آفیسر واپس آگئے۔

"سر، اب تو پلیٹ فارم بھی خالی ہو چکا ہے اور گاڑی روانہ ہو رہی ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"خیر، چلو، شاید نہیں آئے وہ۔" یہ کہہ کر ایس پی فرنانڈیس سے ہاتھ ملانا بھی بھول

گیا اور پلیٹ فارم کے خارجی دروازے کی طرف چلنے لگا۔ فرنانڈیس کچھ دیر وہیں کھڑا انھیں جاتے دیکھتا رہا، پھر وہ بھی سر کو جھٹک کر چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆

فرنانڈیس ایک سبز رنگ کی بے بی آسٹن کو خود ڈرائیو کر رہا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر ہی ایک موٹر سائیکل اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ پھر ایک جگہ وہ موٹر سائیکل رفتار بڑھا کر اس کی کار کے نزدیک آ گئی۔ اس پر ایک سانولے رنگ کا چھلیے جبڑوں والا آدمی سوار تھا، جس نے آنکھوں پر دھول سے بچنے کے لیے سیلولائیڈ کے عینک لگا رکھی تھی۔

کار سے بالکل قریب آ کر اس نے جب فرنانڈیس کی طرف دیکھا تو فرنانڈیس چونک پڑا۔

”وہ نہیں آیا۔“ فرنانڈیس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”باس کو خبر مل چکی ہے... اور یہ بھی خبر مل چکی ہے کہ کل سے تمہارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔“ موٹر سائیکل سوار نے بھی اس کی طرف دیکھے بغیر یہ جملے ادا کیے۔

”میرا؟“ فرنانڈیس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”ہاں۔ کیلی تمہارے کارڈ پر سوئمنگ پول میں گئی تھی نا۔“

”اوہ، لیکن اس پر کچھ ثابت تو نہیں ہوتا۔“

”وہ اس وقت حوالات میں ہے اور اگر اس کا منہ کھل گیا تو؟“

”نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔“ فرنانڈیس نے سر کو جھٹکا۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”مگر تعاقب؟“

”وہ میں سمجھ لوں گا۔“ فرنانڈیس ونڈ اسکرین سے لگے ہوئے عقبی عکس کے آئینے مین پیچھے کی طرف آتی ہوئی ایک ٹیکسی پر نظریں جما کر بولا۔

چوراہا قریب آ رہا تھا، اس لیے موٹر سائیکل سوار آدمی نے موٹر سائیکل کا رخ موڑ دیا اور دوسری طرف نکل گیا۔ فرنانڈیس اب سنبھل کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنی کار کی رفتار آہستہ کردی، مگر اس کا خیال غلط نکلا۔ پچھلی ٹیکسی ایک بوڑھا چلا رہا تھا اور اس میں ایک بوڑھی عیسائی عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹیکسی کے گزر جانے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا اور گاڑی دوسری سڑک پر موڑ دی۔

☆☆☆☆☆☆

وکالت بالجبر

"مجھے کوئی وکیل ٹکیل نہیں چاہیے، میں کوئی وہ، یانی گنا گار ہوں، ہوشت۔" شوکت نے وکیل سے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اسے لاوارث سمجھ کر سرکاری طور پر اس کے دفاع کے لیے کسی وکیل کا انتظام کر دیا گیا ہوگا۔

"مگر وہ تو تم سے ملنا چاہتا ہے۔" حوالات کے کانسٹیبل نے اسے سمجھایا۔

"اے لو، کوئی خیراتی آدمی سمجھا ہے کیا مجھے۔ ایک درجن وکیل خرید کر پارسل کر سکتا ہوں۔" شوکت کو جوش آ گیا۔

"خیر، باہر تو چلیے آپ۔"

"کاہے کو، کوئی قانون ہے کیا؟"

"تو کیا زندگی بھر یہیں رہنے کا ارادہ ہے؟" کانسٹیبل کو بھی ہنسی آ گئی۔

"کیوں، یہ کوئی میری سسرال ہے؟"

وہ بڑبڑاتا ہوا کانسٹیبل کے ساتھ باہر نکل آیا۔ یہاں حوالات کے بیرونی دالان میں ایک سیاہ گون پہنے ادھیڑ عمر کا ایک آدمی کھڑا تھا، جس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو چکے تھے، لیکن چہرے سے تازگی اور خوش مزاجی نمایاں تھی۔

"تو آپ ہی ہیں مسٹر شوکت؟"

"جیاں، فرمایئے، کوئی شک وشبہ ہے آپ کو؟" شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں آپ کی مدد کرنے آیا ہوں اور آپ لڑنے پر تلے معلوم ہوتے ہیں۔" وکیل نے کہا۔

"جب میں نے کوئی جورم نہیں کیا تو کسی کے باپ کا کیا ڈر۔"

"آپ نے تین خون کیے ہیں۔" وکیل نے مسکرا کر کہا۔

"ہوش کی لو میاں خاں۔ میرے خاندان میں سب شریف لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ سو ہزار بار لعنت ہے خونی موئی پر۔"

"مگر آپ پر الزام تو یہی ہے۔"

"بے چخش۔ یانی کل کوئی صاب فرمائیں کہ میں ان کی لڑکی لے کر بھاگ گیا تو یانی بھاگ گیا؟ اللہ قسم آپ وکیل مکیل ہیں یا بڑھیئں۔"

"دیکھیے، بات ذرا آہستہ کیجیے۔ مجھے خان صاحب نے بھیجا ہے۔" وکیل اس کے کان کے قریب منہ لا کر سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

"کک... کس نے؟ میں... انھیں کیا خبر یاں کیا بیت رہی ہے؟"

"انھیں سب خبر ہے۔"

"تو ایسے بولو نا، پہلے کائے کو نئیں بتا دیا۔"

"خیر اب سہی، مگر وہ سارجنٹ کہاں ہے، آپ کا دوست؟"

"اللہ جانے... وہ ہوٹل..." شوکت کہنا چاہتا تھا، مگر وکیل نے بات کاٹ دی۔

"میں تلاش کر چکا ہوں، وہ وہاں بھی نہیں ہے۔"

"تو مجھے نئیں مالوم۔"

"سچ کہہ رہے ہیں آپ؟"

"اے لو تو تم سے کائے کو جھوٹ بولوں گا۔"

"خیر، دیکھیے یہاں سے آپ کو نکالنے کے لیے تھوڑا سا جھوٹ بولنا پڑے گا۔ آپ کے ساتھ وہ لڑکی بھی بند ہے نا، اسے بھی نکالنا ہے۔"

"یانی وہ مس دوروٹی؟"

"ہاں۔"

"کونسا جھوٹ بولنا ہے؟"

"یہی کہ اس لڑکی کو آپ وہاں لے گئے تھے۔ اور یہ کہ وہ آپ کے ساتھ ہی بمبئی سے آئی ہے۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" شوکت نے پوچھا۔

"اس سے پولیس کا شبہ اٹھ جائے گا اور آپ دونوں آزاد کر دیے جائیں گے۔"

"اور جو وہ سالے پوچھیں گے کہ پہلے جھوٹ کاہے کو بولا تو؟"

"صرف اتنا ہی کہہ دیجیے کہ مجھے گرفتار کرنے والے پولیس انسپکٹر نے دھمکی دی تھی کہ اس طرح بولوں۔"

"اور جو پولیس میری دشمن ہوگئی؟"

"وہ سب مجھ پر چھوڑیے، میں آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

"مگر یار وکیل صاب، وہ لڑکی بھی کچھ گڑبڑی مالوم ہوتی ہے۔"

"یہ اب باہر چل کر دیکھا جا سکتا ہے۔"

"خان صاحب نے ایسا ہی بولا ہے بولنے کو؟" شوکت نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اچھا تو بول دوں گا۔"

"بس تو میں باہر ملوں گا۔ آپ کی رہائی کے بعد آپ کا انتظار کرتا رہوں گا۔"

"ضرور، ضرور۔"

وکیل اسے اس قدر سمجھا کر چلا گیا، لیکن اسکے جانے کے بعد ہی ایک انسپکٹر اور ایک کوئی دوسرا سرکاری افسر جو سادہ مگر قیمتی سوٹ پہنے ہوئے تھا آپہنچا۔ شوکت کو پھر لاک اپ سے باہر لایا گیا۔

"وکیل کا کہنا ہے کہ تم پھر سے اپنا بیان دینا چاہتے ہو؟"

"ارے واہ، میں کوئی لیڈر ہو گیا؟ اوہ، مگر نہیں۔ آپ کا مطلب ہے اس کیس والا بیان؟" شوکت یہ کہتے ہوئے ان کے سامنے سنبھل کر بیٹھ گیا اور اس نے وہی کچھ کہہ ڈالا جو اسے وکیل سکھا کر گیا تھا۔ اس کا بیان قلم بند کرنے کے بعد انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

"کیا واقعی تم کو اس پولیس افسر نے پچھلا بیان دینے پر مجبور کیا تھا؟"

"نہیں، یانی ہاں، کیا تھا۔"

"خیر، اس کا نتیجہ خود ہی بھگت لو گے۔" پولیس افسر نے طنز بھرے لہجے میں کہا اور دوسرے افسر کے ساتھ باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد ہی شوکت کو جب ڈیوٹی کانسٹیبل نے آ کر خبر دی کہ وہ لڑکی تو چھوڑ دی گئی، البتہ شوکت پر پولیس کو دھوکہ دینے اور غلط بیانی کرنے کی دو دفعات اور عائد کر دی گئی ہیں تو اسے سانپ سونگھ گیا۔

"مگر وہ تو اس وکیل صاحب کی اولاد نے سکھایا تھا مجھے۔ سالا چڑی کا اکہ۔"

"وکیل بیرسٹر اسی طرح اپنے کام نکال لیا کرتے ہیں۔" کانسٹیبل نے نرم لہجے میں اسے بتایا۔

"تو اب میں بھی ولایت سے بارے ٹلا (بار ایٹ لا) منگاؤں گا۔ دیکھوں کون پھانسی دیتا ہے مجھے۔" شوکت کو جوش آ گیا، مگر اسکے ساتھ ہی اسے بابے کا خیال آ گیا جو اسے اس مصیبت میں پھنسا کر خود نہ جانے کہاں روپوش تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے کان تھام کر توبہ توبہ کرنے لگا۔ "اللہ بچائے ایسے مارے آستینوں سے۔ سالے کاٹیں اور پانی بھی نہیں دیں۔"

"کیا بات ہوئی؟" پولیس کانسٹیبل نے جسے اس سے کچھ ہمدردی سی ہو گئی تھی، نرم لہجے میں پوچھا۔

"کوچھ نہیں، خاں۔ اپنا مقدر ہی سالا ایسا ہے جو لاکھوں کی دولت رکھ کے بھی یاں

حوالات میں بند ہیں۔ ہوشت، ایسی تیسی سالی ایسی دوستی موستی کی۔" اور یہ جملہ ادا کرنے کے ساتھ وہ ہوا میں اپنا مکا لہرانے لگا۔ ذہن میں یہی خیال تھا کہ اب کی بار بالے مل گیا تو وہ اس کی دوستی کا جواب گھونسے سے دے گا۔

☆☆☆☆☆☆

چکمہ

باہر وکیل کی اپنی کار خود موجود تھی۔ شوکت کے اس بیان کے بعد قانونی طور پر اس لڑکی کی اتنی اہمیت نہ رہ جاتی تھی کہ اس کی ضمانت کے لیے عدالت سے باقاعدہ حکم حاصل کرنا پڑے۔ اور پھر شاید وکیل نے اپنے اثرات بھی استعمال کیے تھے۔ کیلی بڑی مطمئن اور بشاش نظر آ رہی تھی۔

”تم پر پولیس نے سختی تو کی ہوگی؟“ وکیل نے اسے کار میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

”وہ عورتوں پر کیا سختی کریں گے، میں خود ہی ڈانٹ دیتی تھی انھیں۔“ کیلی نے ہنس کر کہا۔ ”مگر میں تمھیں ابھی تک پہچانی نہیں، کیا تم میک اپ میں ہو؟“ وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

”پہچان لوگی، جلدی کیا ہے۔“ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر کار ڈرائیو کرتا رہا۔

”لیکن یہ تم چل کدھر رہے ہو؟“ وہ کچھ دیر بعد چونک کر بولی۔

”کیا ضروری ہے کہ تمھیں بتایا ہی جائے۔“

”کیا باس نے بلایا ہے؟“ لڑکی نے نرم پڑ کر کہا۔

”کون باس؟“

”بب... بڑا باس۔“ وہ ذرا ہچکچا کر بولی۔

”کیا کبھی اس سے پہلے بھی کبھی اس نے تمھیں طلب کیا تھا سامنے؟“

”نہیں۔“

”کیا تم نے دیکھا ہے اسے؟“

”نہیں تو۔“

“پھر کیسے سمجھ لیا تم نے کہ اس نے تمہیں طلب کیا ہے؟”

“حالات ہی کچھ ایسے معلوم ہو رہے ہیں۔”

“تم کار ڈرائیو کرنا جانتی ہو؟”

“ہاں، کیوں نہیں۔”

“لو تم ڈرائیو کرو، میری کلائی میں ذرا درد ہے۔” اس نے یہ کہتے ہوئے ایک جگہ کار کی رفتار آہستہ کر کے اسے روک دیا۔ لڑکی کچھ نہ سمجھتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھی اور وکیل پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

“بس اب لوبرج کی طرف چلنے دو کار کو۔”

“لوبرج؟ مگر...؟” لڑکی نے کچھ کہنا چاہا۔

“وہاں تمہارا انتظار کیا جا رہا ہے، سوالات کا وقت نہیں۔ پولیس کو ابھی تک تم پر شبہ ہے۔” وکیل نے جواب دیا۔ لیکن کیلی کے چہرے پر پریشانی کے آثار اب بھی نمایاں تھے، بہر حال وہ کچھ بولے بغیر گاڑی چلاتی رہی۔

“ذرا اور تیز کرو، ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں ہیں۔” وکیل نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور کیلی نے ایکسیلیٹر اور دبا دیا۔ گاڑی سڑک پر اچھلتی دوڑنے لگی۔

“کلب میں اس پولیس آفیسر کو ختم کرنے کا کوئی پروگرام تو نہ تھا؟” وہ پیچھے دیکھے بغیر سوالیہ لہجے میں بولی۔

“وہ اس موٹے آدمی کے ساتھی کے دھوکے میں مارا گیا ہے، لیکن یہ باتیں تمہارے سوچنے کی نہیں، اپنا کام کرو۔”

“او کے، مسٹر۔” کیلی نے بھی برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ وہ اس اجنبی کے اس رویے سے جھنجلا سی گئی تھی۔

“لیکن میں اس قسم کی غلامی پسند نہیں کرتی۔ میں باس سے صاف صاف کہہ دوں

گی، سمجھے۔" اس نے جتایا، مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا۔

"میں انسان ہوں، کوئی جانور نہیں ہوں۔" اس نے دوبارہ کہا، مگر جواب پھر بھی نہ ملا۔ جس پر وہ جھنجلا کر پلٹی ہی تھی کہ اس کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھیل گئیں۔ کار کی پچھلی نشستیں خالی پڑی تھیں۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے گھبرا کر کار کو بریک لگایا، لیکن کار کے بریک تو جیسے ختم ہی ہو چکے تھے۔ یہ معلوم ہوتے ہی اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور اس گھبراہٹ میں اس کا پیر ایکسیلیٹر پر پھر چلا گیا۔ اس کی خوفزدہ آنکھوں کے سامنے موت ناچنے لگی اور غیر ارادی طور پر ایک چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔ پل سامنے نظر آ رہا تھا اور گاڑی اگر پل سے نہ بھی ٹکراتی تب بھی نہر میں جا کر گرتی اور ٹکراتی تب بھی پل توڑ کر جا گرتی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا، لیکن ڈوبے حواس کی اس یاس انگیز کیفیت میں بھی اسے قریب کسی موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔ کار قابو سے باہر ہو رہی تھی اور اب موت اور اس میں چند گز کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اچانک وہ موٹر سائیکل کار کے برابر آ گئی۔ کسی نے جھٹکے سے کار کا دروازہ کھولا اور جیسے ہی اس نے کیلی کا ہاتھ تھاما، وہ آپ سے آپ اس کی طرف اچھل گئی۔ کار کا وہی حشر ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ وہ پل کی منڈیر سے ٹکرائی اور اسے توڑتی ہوئی سو فٹ نیچے پانی میں جا گری۔

☆☆☆☆☆☆

ٹھیک اسی وقت پولیس کی کاروں کے سائرن سنائی دینے لگے اور یکے بعد دیگرے چار گاڑیاں آ پہنچیں۔

موٹر سائیکل سوار نے موٹر سائیکل روک لی تھی۔ اگلی پولیس کار سے ایک انسپکٹر خود اتر کر اس کی طرف آیا۔

"آپ نے بڑی جواں مردی سے کام لیا، ورنہ یہ بھی کار کے ساتھ گئی ہوتی۔" وہ

اس کی تعریف کرتے ہوئے بولا۔ موٹر سائیکل سوار سارجنٹ بالے ہی تھا اور اس وقت اپنی اصلی شکل اور سادہ لباس میں تھا۔

”وہ نقلی وکیل پکڑا گیا؟“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں، کار سے کودتے ہی ہم نے اسے گھیر لیا تھا۔“ انسپکٹر نے جواب دیا۔

”تو پھر انھیں بھی لے چلیے، یہ محترمہ بڑے کام کی ہیں۔“ بالے نے کیلی کو پولیس افسر کے حوالے کرتے ہوئے طنزیہ کہا۔ اور اس وقت کیلی یہ پہچان سکی کہ وہ اس موٹے کا ساتھی تھا جس نے اس کی جان بچائی تھی۔ وہی دشمن، جس کی جان لینے کی سازش میں وہ خود آلۂ کار تھی۔ اس کی رگِ انسانیت تڑپ اٹھی اور فرطِ ممنونیت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”آپ نے میری جان بچائی ہے، اب خدا کے لیے مجھے اپنے ہی ساتھ رہنے دیجیے میں سب کچھ بتا دوں گی۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں اس سے التجا کرنے لگی۔

”آپ گھبرائیے نہیں، میں بھی پولیس اسٹیشن ہی چل رہا ہوں۔ آپ پولیس کار میں بیٹھ جائیے۔“ بالے نے نرمی سے اسے سمجھایا اور وہ یاس بھری نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی پولیس کار میں انسپکٹر کے ساتھ جا بیٹھی۔ پولیس کی دو گاڑیاں جن میں سے ایک میں کیلی اور دوسری میں وہ نقلی وکیل تھا جسے نہر میں غرق ہونے والی کار سے کودتے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ واپس روانہ ہو گئیں اور دو کاریں وہیں رہ گئیں جن کا عملہ اس واقع کی رپورٹ مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ نہر سے اس کار کو نکلوانے کے امکانات کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ بالے نے پولیس کی کار کے پیچھے جانے کی بجائے اپنی موٹر سائیکل کا رخ شہر کے اس علاقے کی طرف موڑ دیا جہاں وہ گزشتہ شب ایک اوباش نوجوان کے لباس میں ٹیکسی میں فرنانڈیس کا پیچھا کرتا ہوا پہنچا تھا۔

اس عمارت کے سامنے مقابل والے فٹ پاتھ پر ایک آدمی، جو سادہ لباس میں تھا اور چہرے سے قدرے سنجیدہ اور معمر معلوم ہوتا تھا، ٹہل رہا تھا۔ بالے کی موٹر سائیکل رکتے ہی وہ

خود قریب آ گیا۔

”جناب، اب تو میرے پیر بری طرح درد کر رہے ہیں۔ نہ بیٹھا ہی جاتا ہے نہ ٹہلا جاتا ہے۔“ وہ شکایتی لہجے میں بولا۔

”بس، لو، تمہارا کام ختم ہو گیا۔“ بالے نے یہ کہہ کر جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیے۔

”شکریہ۔“ وہ ان نوٹوں کو جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

”اب تم جا سکتے ہو۔“

”معاف کیجیے گا، جانے سے پہلے کیا میں ایک سوال کر سکتا ہوں؟“ وہ آدمی دور سے بولا۔

”کیا؟“ بالے نے پوچھا۔

”مجھ سے آپ نے کیا کام لیا، یہ بات میرے پلے نہیں پڑی۔ آپ نے صبح سے مجھے اس عمارت کے سامنے صرف ٹہلتے رہنے اور کسی کے سوال کا کوئی جواب نہ دینے کی جو ڈیوٹی مجھے سونپی تھی، وہ تو میں نے بالکل آپ کے حکم کے مطابق پوری کر، مگر اس کا مطلب کیا تھا یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔“ وہ آدمی سادگی سے بولا۔

”تمہارے سمجھنے کی بات نہیں۔ میں نے جتنا کام تمہیں سونپا تھا تم نے کر دیا اور تمہیں اس کا معاوضہ مل چکا ہے، بس۔“ بالے نے لہجے میں کسی قدر روکھا پن پیدا کرتے ہوئے کہا اور اس آدمی کو پھر کسی سوال کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ اسے سلام کر کے جانے لگا تو بالے نے اسے اشارے سے روک لیا۔

”یاد ہے، کل پھر تم اسی جگہ اسی وقت آؤ گے اور یہی ڈیوٹی انجام دو گے۔“ اس نے تاکید کی۔

”یاد ہے، جناب۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”بس، اور کوئی سوال تم مجھ سے نہیں کرو گے۔“ بالے نے اس کا سوالی موڈ دیکھ کر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسے روک دیا۔ اس نے جھینپے ہوئے انداز میں بالے کو دوبارہ سلام کیا اور آہستہ آہستہ آگے چلا گیا۔ بالے ایک منٹ تک وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر ایک نظر اس نے عمارت پر ڈالی۔ اسے اس کی تیسری منزل کی سامنے والی کھڑکی میں کسی کی جھلک سی نظر آئی، جیسے کوئی اس کی نظر پڑتے ہی وہاں سے ہٹ گیا ہو۔ وہ مسکرایا اور اپنی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

لرزہ

دونوں پولیس کاریں آگے پیچھے اوسط رفتار سے دوڑ رہی تھیں۔ سینٹرل اسٹیشن کا انسپکٹر راج گوپال اگلی کار میں تھا اور اس کی پچھلی نشست پر دو سپاہیوں کے درمیان وہ نقلی وکیل بیٹھا تھا جسے حادثے والی کار سے گرتے ہی گرفتار کیا گیا تھا۔ اور پچھلی کار میں انسپکٹر ڈکشٹ کیلی کو لے کر پولیس اسٹیشن جا رہا تھا۔ ان کی کاریں ابھی شہری حدود میں داخل ہوئی تھیں کہ جی ٹی روڈ کے سرے پر ہی دوسری طرف سے آتی ہوئی ایک برق رفتار کار میں بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھتے ہی کیلی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ انسپکٹر ڈکشٹ نے اس کی نظروں کی سیدھ میں آتی ہوئی کار ی طرف دیکھا اور پھر کیلی کے چہرے کے بدلتے رنگ کی طرف۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" اس نے اس سے پوچھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ کیلی کوئی جواب دے، ہوا کے ایک تیز جھونکے کی طرح آتی ہوئی کار ان کاروں کے نزدیک سے گزری اور وہ اتنا ہی دیکھ سکے کہ اسے ڈرائیو کرنے والے آدمی کے ہاتھ میں کوئی سیاہ سی چیز تھی جس سے پٹ جیسی ہلکی آواز کے ساتھ سیاہ دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر خارج ہوئی اور بڑی تیزی سے دھوئیں کے غبارے میں تبدیل ہوتی ہوئی ان کی کار کی کھڑکی سے اس کے اندر داخل ہو گئی۔ اس کار اور کار والوں کا کیا حشر ہوا، یہ تو وہ اس وقت دیکھ سکتے جب خود ان کے ساتھ بھی وہی نہ ہوا ہوتا۔ بالکل ویسا ہی دھوئیں کا ایک غبار گزرنے والی کار سے خارج ہو کر ان کی کار میں بھی گھس آیا اور پھر وقت کا ایک سب سے عجیب و غریب اور بھیانک حادثہ ظہور میں آیا، ایسا جو اس شہر کی تاریخ میں پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

آٹھ لاشیں

سٹی کارونر کے ہال میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک لمبی میزوں پر آٹھ انسانی لاشیں سفید چادروں سے ڈھکی رکھی ہوئی تھیں اور کمشنر اور کلکٹر سمیت تمام بڑے بڑے عہدیدار گہری سوچ میں ڈوبے کھڑے ہوئے تھے۔ یہ ایک اتنا غیر معمولی اور سنسنی خیز واقعہ تھا جس نے سارے سہر میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ پنچم پور تو کیا ہندوستان کی تاریخ میں اس قسم کی پر اسرار وارداتیں کبھی ظہور میں نہیں آئی تھیں۔ ان میں سے پانچ لاشیں تو پولیس کاروں کے ٹکرانے اور الٹنے سے بری طرح کچلی ہوئی بھی تھیں، لیکن تین جو سالم تھیں وہ کیلی، اس نقلی وکیل اور انسپکٹر راج کرپال کی تھیں۔ ڈاکٹر امرناتھ ابھی ابھی چادروں کے سرے اٹھا اٹھا کر ان لاشوں کی کیفیت انھیں دکھا چکا تھا۔ یہ بالکل عجیب وغریب بات تھی کہ کچلنے والی اور سالم لاشوں کے جسم بھی سیاہی مائل ہو گئے تھے اور ان کے ہاتھوں کی انگلیاں اکڑی ہوئی تھیں۔

"یہ بالکل اسی نوعیت کی لاشیں ہیں جیسے پہلے دو ہوٹل ڈی ولرا اور ایک سوئمنگ پول سے لائی جا چکی ہیں۔" ڈاکٹر امرناتھ نے کلکٹر کو بتایا۔

"میری تو عقل کام نہیں کر رہی، آخر ان وارداتوں کا مقصد کیا ہے؟ یہ ہے کیا چکر؟" کلکٹر نے فکر میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ چکر ڈی ولرا سے شروع ہوا ہے۔ سب سے پہلے وہاں دو مسافروں کا خون ہوا، پھر اس سلسلے میں ایک مشتبہ آدمی کا تعاقب کرتے ہوئے سوئمنگ پول پر پولیس سارجنٹ کا خون ہوا اور آج ایک ساتھ اتنی موتیں۔" سٹی ایس پی نے مرجھائے ہوئے لہجے میں بتایا۔

"اور پھر بھی پولیس کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔" کلکٹر نے طنزیہ کہا۔

"کوشش تو بہت کی گئی، لیکن معاملات کا سر پیر ہی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔" ایس پی

نے اعتراف کیا۔

"بمبئی سے اس سلسلے میں محکمۂ خفیہ کا کوئی پیغام آیا تھا؟" کلکٹر نے دریافت کیا۔

"صرف اتنا ہی کہ محکمۂ خفیہ کا ایک اعلیٰ آفیسر جو نیلے رنگ کے سوٹ میں ہوگا، پنچم پور پہنچ رہا ہے اور اس وقت تک کے لیے اس لڑکی کو کڑی نگرانی میں رکھا جائے اور اس موٹے آدمی پر کوئی چارج نہ لگایا جائے۔" ایس پی نے بتایا۔

"تو پھر اس لڑکی کی ضمانت کیسے ہوگئی تھی؟"

"اس موٹے آدمی نے اپنا بیان بدل دیا تھا پولیس قانونا مجبور تھی۔" ایس پی نے بتایا۔

"حالانکہ بعد میں وہ وکیل کوئی فراڈ ثابت ہوا۔" کمشنر نے لقمہ دیا۔

"موٹے آدمی کے بیان بدل دینے کے بعد وکیل کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی۔ ویسے بھی پولیس اسٹیشنوں پر وکیلوں سے ان کے شناختی کارڈ تو نہیں مانگے جاتے۔" ایس پی کے لہجے میں بھی خفیف سا طنز تھا، جس پر کلکٹر اسے گھورنے لگا۔

"آئی ایم ساری، سر، مگر پولیس کی نیت پر کوئی شبہ نہیں کیا جانا چاہیے۔" ایس پی کا لہجہ احتجاجی ہوگیا۔

"میں نے ہرگز یہ نہیں کہا ہے، میرا مقصد تو یہ تھا کہ بمبئی کی خفیہ پولیس کی ہدایات کی روشنی میں اتنی آسانی سے اس لڑکی کو نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔" کلکٹر نے کہا۔

"ہم بھی تو قانون کے پابند ہیں آخر۔" اس بار کمشنر نے ایس پی کا ساتھ دیا۔

"اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ بمبئی پولیس کی ہدایت ہی سرے سے کوئی فراڈ ہی رہی ہو، کیونکہ آپ کے بیان کے مطابق تو وہاں سے کوئی یہاں نہیں پہنچا۔" کمشنر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ بات بھی تو قرینِ قیاس ہے مگر ایک اتنے تہلکہ خیز واقع کا ردِ عمل جو پبلک اور

پولیس میں ہو رہا ہے، وہ حکومت کے لیے بڑی بدنامی کا باعث ہے۔"

"آج کا یہ واقعہ تو ایک کھلا ہوا چیلنج ہے۔" کلکٹر نے ان لاشوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"پولیس کو اطلاع کیسے ملی تھی جو وہ اس برج پر پہنچ گئی؟" کمشنر نے ایس پی سے پوچھا۔

"اوہ، یہ تو عرض کرنا بھول ہی گیا میں۔ وہ بمبئی کی خفیہ پولیس کا ایک آفیسر ہی ہے جو کیلی، یعنی اس لڑکی کی رہائی کے فوراً بعد میرے پاس پہنچا تھا۔ اس کے کاغذات اور شناختی کارڈ سے اس کی شخصیت کی تصدیق کرنے کے بعد ہی میں نے انسپکٹر راج کرپال اور ڈکشت کو اس کی مدد کے لیے دوڑایا تھا۔ یہ اسی نے بتایا تھا کہ وہ وکیل ایک فراڈ ہے اور وہ لڑکی، میرا مطلب ہے جس کی لاش یہاں پڑی ہوئی ہے، نہ صرف یہ کہ بمبئی پولیس کے ایک اہم کیس میں ملوث ہے، بلکہ یہاں جو تین موتیں ہوئی ہیں، ان سے بھی اس کا تعلق ہے۔ چنانچہ اس اطلاع کے ساتھ ہی میں گھبرا سا گیا اور میں نے فوراً ہی آدمی دوڑا دیے۔" ایس پی نے بتایا۔

"لیکن یہ وہ پولیس آفیسر تو نہ تھا جو یہاں پہنچنے والا تھا؟"

"جی نہیں، جناب۔ میں اسے اس موٹے آدمی کے ساتھ ہوٹل ڈی ولرا میں دیکھ چکا تھا، لیکن اس وقت کیونکہ موقع نہیں تھا، اس لیے میں اس کے بارے میں تفصیلی معلومات اس سے حاصل نہ کر سکا۔" ایس پی نے بتایا۔

"تب پھر وہ موٹا آدمی بھی مجرموں کے تعلق سے نہ ہوگا؟" کمشنر نے رائے دی۔

"اب ہمیں بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے، لیکن وہ سارجنٹ آجائے تب ہی ہر بات واضح ہو سکتی ہے۔"

"تو کیا وہ ابھی تک نہیں لوٹا؟" کلکٹر نے پوچھا۔

"لڑکی اور اس نقلی وکیل کو پولیس کے حوالے کر کے وہ موٹر سائیکل پر ہی چل دیا تھا،

مگر ابھی تک یہاں نہیں پہنچا۔" ایس پی نے کہا۔

"بھئی، اس طرح تو سب کچھ کھچڑی ہو کر رہ گیا۔ آپ کی بات سے تو یہ نتیجہ نکلنا چاہیے کہ بمبئی پولیس خفیہ طور پر اس لڑکی کی تلاش میں یہاں پہنچا معلوم اور پراسرار طاقتوں کے مالک مجرموں سے ٹکرا گئی اور اس تصادم میں دھوکے ہی دھوکے میں غیر متعلق اور بے گناہ لوگ مارے گئے۔" کمشنر نے رائے دی۔

"لیجیے، وہ آ گئے۔" ایس پی چونک پڑا۔

سارجنٹ بالے باہر ہی موٹر سائیکل کھڑی کر کے اندر آ رہا تھا۔ اس نے ایس پی کو سلام کیا، لیکن وہ کلکٹر اور کمشنر سے واقف نہ تھا۔ البتہ اس کی نگاہیں ان لاشوں کا جائزہ لینے لگیں جو میزوں پر رکھی تھیں۔ پھر ایس پی نے خود کلکٹر اور کمشنر سے اس کا تعارف کرا دیا۔

"بڑا افسوسناک واقعہ ہے، جناب۔ مجھے تو ابھی ابھی معلوم ہوا۔" بالے نے پولیس ایس پی سے کہا۔

"لیکن آپ کہاں چلے گئے تھے؟" کمشنر نے کہا۔

"مجھے ایک آدمی پر شبہ تھا کہ وہی ان معاملات کی پشت پر ہے، میں اسے چیک کرنے گیا تھا۔" بالے نے بتایا۔

"کون آدمی؟" کلکٹر نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس کا نام فرنانڈیز ہے، شاید جارج فرنانڈیز۔"

"وہ جو ساوتھا اسٹریٹ میں رہتا ہے؟" ایس پی نے جلدی سے پوچھا۔

"جی ہاں، غالباً وہی، وہ رابنسن کی تیسری منزل پر۔"

"ہاں ہاں، مگر وہ تو ایک معزز آدمی ہے، میں اسے جانتا ہوں۔" ایس پی نے بالے کو بے اعتمادی کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ جو کیمیکلز کی فرم کا مالک ہے، وہی نا؟" کمشنر نے ایس پی سے سوال کیا۔

"جی ہاں، جناب۔ وہ بہت شریف اور باحیثیت آدمی ہے۔" ایس پی نے دوبارہ اس کی وکالت کی۔

"لیکن آپ یہ کیوں بھول گئے کہ سوئمنگ پول کے کلب کے لیے وزٹر کارڈ اس لڑکی کو اسی کی معرفت ملا تھا۔" بالے نے کہا۔

"اوہ، میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ ایسے کارڈ ممبروں کے واقف کاروں، بلکہ واقف کاروں کے بھی واقف کاروں کو دے دیے جاتے ہیں۔ یہ معمولی سی بات ہے۔ فرنانڈیز نے مجھے خود بتایا تھا کہ کوئی لڑکی اسے ایک دن ہوٹل ڈی ولرا میں ملی تھی اور اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے کسی عزیز کو پول اور کلب کی سیر کرانا چاہتی ہے، اس لیے میں اپنی معرفت اسے کارڈ دلوا دوں اور فرنانڈیز نے اسے کلب کے سکریٹری کے نام سلپ لکھ کر دے دی تھی۔" ایس پی نے کچھ اس انداز سے کہا، جیسے وہ بمبئی پولیس کے محکمۂ خفیہ کے اس سارجنٹ کو احمق ثابت کرنا چاہتا ہو۔

"لیکن فرنانڈیز اس وقت اسٹیشن پر بھی موجود تھا جب آپ بمبئی خفیہ پولیس کے ایک اعلیٰ افسر کو ریسو کرنے گئے تھے۔" بالے نے دوسرا پوائنٹ پیش کیا۔

"تو آپ بھی موجود تھے وہاں۔" ایس پی نے اسے گھورا۔ "لیکن وہ محض اتفاق تھا، اگر کوئی اور بات ہوتی تو وہ اس طرح ہمارے سامنے ہی کیوں آتا۔"

"ہاں بات تو سوچنے کی ہے۔"

"معاف کیجیے گا جناب، میں نے تو اپنا خیال پیش کر دیا، ممکن ہے غلط بھی ہو، لیکن اس قسم کی کیسز میں کسی بھی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔" بالے نے مشتعل ہوئے بغیر ادب سے کہا۔

"مگر کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ ہے کونسا چکر؟ دیکھیے، آپ لوگوں کی ہی وجہ سے یہاں یہ اندھیر مچا ہے اور ہمارے تین اچھے آفیسر اور چار سپاہی ہلاک ہو چکے ہیں۔ ہم آخر

حکومت اور عوام کو کیا جواب دیں گے؟" کلکٹر نے اس طرح کہا جیسے وہ سارا الزام بالے پر ہی تھوپنا چاہتا ہو۔

"اس قسم کے پراسرار اور خطرناک مجرم جہاں پناہ لیے ہوئے کیا آپ اس شہر کی زندگی کو محفوظ سمجھتے ہیں؟" بالے نے کہا۔

"نہ سہی، مگر اس سے پہلے تو یہاں کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔" ایس پی برا سامنہ بنا کر بولا۔

"شاید اس کا جواب آنے والا وقت دے سکے۔ آپ سینئر آفیسرز ہیں۔ میں آپ سے بحث کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" بالے نے بات مختصر کر دی۔

"خیر خیر، لیکن اب حکام بالا، پبلک اور پریس کو کیسے مطمئن کیا جائے؟" کلکٹر دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"صاحب، آپ کا فون ہے۔" کروز کے ایک چپراسی نے پیچھے سے آکر سپرنٹنڈنٹ کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی آیا۔" ایس پی نے اجازت لی اور چلا گیا۔

"کیا آپ ان معاملات کے سلسلے میں کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں؟" کلکٹر بالے سے پوچھنے لگا۔

"سراغ رسانی کے اصول کے مطابق پہلے ہر جرم کے تین اہم پہلوؤں کو جاننا ضروری ہے۔ یعنی جرم کا مقصد، جرم کا طریق کار اور وہ حالات جن میں وہ وقوع پذیر ہو۔ اور ان تینوں بنیادی پہلوؤں میں سے صرف تیسرے پہلو پر اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ کیلی کسی ایسے خطرناک گروہ سے وابستہ تھی جو اس کی شخصیت کا پہچان لیا جانا اپنے لیے خطرناک سمجھتا ہو، یا اپنی کارروائیوں کو قطعی محفوظ رکھنا چاہتا ہو۔" بالے نے کہا۔

"مگر میں تو سمجھتا ہوں کہ نہ آپ لوگ اس لڑکی کو چھیڑتے نہ یہ واقعات ہوتے۔"

کمشنر بھی بول اٹھا۔

"معاملہ صرف کیلی کا ہوتا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ لوگ ہرگز اتنے بڑے اقدامات نہ کرتے، یہاں یقیناً کوئی بڑا خطرناک گروہ کسی بڑی خفیہ سرگرمی میں مصروف ہے اور اپنے متعلق کسی انکشاف کے ڈر سے ہی اس نے کیلی اور اس نقلی وکیل کو ختم کر دیا۔ اور پولیس کے عملے کی جانیں محض ان دونوں کی وجہ سے ہی گئیں ہیں، ورنہ وہ پولیس سے ابھی ٹکرانا نہیں چاہتے تھے۔" بالے نے کہا۔ "پہلے بھی آپ کا وہ سی آئی ڈی آفیسر کلب گراؤنڈ میں میرے دھوکے میں کارا گیا اور یہ لاشیں بھی جو آپ دیکھ رہے ہیں اس بات کی گواہ ہیں کہ وہ ہر قیمت پر کسی ایسے راز کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے جس کے متعلق انھیں یہ خدشہ پیدا ہوگیا ہوگا کہ کہیں کیلی یا وہ آدمی پولیس کے دباؤ یا سختی سے اگل نہ دیں۔ انھیں اس لیے پولیس اسٹیشن پہنچنے سے پہلے ہی ختم کر دیا گیا اور ان کے ساتھ ان کاروں میں موجود تمام افراد بھی ہلاک ہو گئے۔"

"مگر ایسا کونسا طریق کار ہو سکتا ہے؟"

"میں نے ابھی ابھی جو معلومات حاصل کی ہیں ان سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ سڑک کے پار کچھ لوگوں نے ایک لمبی بڑی کار کو پولیس کاروں کے نزدیک سے گزرتے دیکھا تھا اور اس کے بعد فوراً ہی اس حادثے کے وقوع پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ انھیں ان ہی کاروں سے کچھ سیاہ دھواں سا نکلتا دکھائی دیا تھا۔" بالے نے کہا۔

"یہ رپورٹ تو ہمیں بھی مل چکی ہے، لیکن دھویں کا کیا مذاق ہے، وہ تو سگریٹ کا بھی ہو سکتا ہے۔ انسپکٹر راج کرپال اور ڈکشٹ دونوں ہی چین اسموکرز تھے۔" کمشنر نے گویا اس کا مذاق اڑایا۔

"جناب، ایک ساتھ اتنی موتیں کسی اور طریقے سے تو واقع نہیں ہو سکتیں۔"

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" کلکٹر نے پوچھا۔

"جی... کچھ نہیں... کچھ نہیں۔"

"نہیں نہیں، کہیے، بلا جھجک کہیے۔"

"مجھے اس کے لیے کچھ وقت دیجیے، میں ٹھوس دلائل کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر بعد میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔"

"اوہ، اچھا، خیر۔"

اتنے میں ایس پی واپس آ گیا۔ اس نے بالے کی طرف دیکھا اور کاغذ کی ایک چٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ بالے نے اسے دیکھا۔ اس پر صرف یہ لکھا تھا،

"مل روڈ ساؤتھے ۱۲ پر فوراً پہنچو۔"

"ایس کے۔"

اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ "کمبختوں کی چندھیاں بکھر جائیں گی۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ کلکٹر اور کمشنر دونوں اس کی شکل دیکھنے لگے، مگر سپرنٹنڈنٹ مسکرا دیا۔

"مجھے اجازت دیجیے، ایک ضروری کال ہے۔" اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟" کمشنر ایس پی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مجرموں کا ملک الموت آ پہنچا ہے۔" بالے نے اتنا کہا اور رخصت طلب انداز میں سیلوٹ کرنے لگا۔

"آپ جا سکتے ہیں۔" ایس پی نے کہا اور وہ پلٹ کر باہر نکل گیا۔

"آپ لوگ معمے بوجھ رہے ہیں کیا؟" کمشنر نے ناخوشگوار انداز میں ایس پی سے کہا۔

"جناب، وہ آفیسر آ پہنچا ہے جس کا ہمیں انتظار تھا۔" ایس پی نے بتایا۔

"ایک نے کونسا تیر مار لیا جو دوسرا مارے گا۔" کمشنر کا لہجہ تلخ ہی تھا۔

"نہیں جناب، وہ کوئی معمولی آفیسر نہیں، ہندوستان کا بڑا مشہور سراغرساں ہے۔" ایس پی نے بتایا۔

"کوئی شرلاک ہومز ہے کیا؟" کلکٹر نے اس کا مذاق اڑایا۔

"شرلاک ہومز وغیرہ تو روایتی کردار ہیں، لیکن مشرق نے ان سے بہتر عملی کردار پیش کیے ہیں اور یہ ان میں سے ایک ہے۔"

"کون ہے آخر؟" کمشنر جھنجلا گیا۔

"سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خان۔" ایس پی نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ تو سیدھے سے کیوں نہیں بتاتے آپ۔" کمشنر نے کہا۔

"کون خان؟" کلکٹر نے جو شاید اس نام سے واقف نہ تھا، سوال کیا۔"

"میں جانتا ہوں، ہندوستان میں اس کی ٹکر کا کوئی ڈٹکٹیو نہیں ہے۔ اب ضرور سارے معاملات صاف ہو جائیں گے۔ اس کا نام ہی جرائم پیشہ افراد کے لیے چنگیز یا ہلاکو سے کم نہیں۔" کمشنر اسے سمجھانے لگا۔

"میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کونسی ایسی شخصیت ہے وہ۔" کلکٹر پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

"اس کے طریقے ہی کچھ عجیب ہو جاتے ہیں، نہ جانے کب ملاقات ہو جائے۔ اب یہی دیکھیے نا، یہ ایس پی صاحب کب سے اس کا انتظار کر رہے ہیں اسٹیشن پر ریسیو کرنے بھی جا چکے، لیکن وہ یہیں شہر میں موجود ہے۔"

"خدا کرے وہ جلد کامیاب ہو جائے، میرا تو ان لاشوں کو دیکھ دیکھ کر خون کھول رہا ہے۔ اگر مجھے عدالتی اختیارات ہوتے اور قانون اجازت دیتا تو میں ان مجرموں کے لیے یہ اعلان کرا دیتا کہ جہاں ملیں ان میں سے ایک ایک کا سر قلم کر دیا جائے۔" کلکٹر نے لاشوں پر پھر ایک نظر ڈال کر مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ مگر ان کی گفتگو وہیں رک گئی۔ اندر سے ڈاکٹر آ پہنچا۔

"لیجیے یہ پیپرز۔" اس نے کاغذات ایس پی کی طرف بڑھائے اور پھر ان سب سے ہی مخاطب ہو گیا۔

"حادثہ پہلے ہوا ہے یا موت، یہ فیصلہ کرنا تو ناممکن ہے، لیکن حادثے سے آنے والے زخموں کے علاوہ موت کی علامتیں اسی قسم کی تین پچھلی اموات سے مختلف نہیں ہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا یہ کوئی زہر ہو سکتا ہے؟" کلکٹر نے پوچھا۔

"مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں جو اس کا جواب دے سکوں، کیونکہ یہ اپنی نوعیت کے بالکل ہی نئے اور عجیب کیس ہیں۔ اس جواب کے لیے آپ کو کلکتہ سے کیمیکل انالائزر کی رپورٹ آنے تک انتظار کرنا ہوگا۔" ڈاکٹر نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"اچھا چھا۔" کلکٹر نے سر ہلایا اور پھر ایس پی کو یہ ہدایت دینے کے بعد کہ مرنے والے پولیس آفیسرز اور کانسٹیبلوں کے رشتے داروں کو اطلاع دے دی جائے کہ ان کی تجہیز و تکفین سرکاری اعزازات کے ساتھ ہوگی، کلکٹر باہر نکل گیا۔ وہ اور کمشنر اپنی کار میں روانہ ہو گئے اور سپرنٹنڈنٹ اپنی پولیس کار میں۔

☆☆☆☆☆☆

مالی بیرا کرنل

ہل روڈ شہر کے ہی ایک حصے میں واقع تھی۔ آبادی کیونکہ ایک اونچے ٹیلے پر تھی، اس لیے اس کے درمیان سے گزرتی ہوئی سڑک ہل روڈ کہلاتی تھی۔ مگر یہ علاقہ سونا اور شہر میں ہوتے ہوئے بھی شہر سے کٹا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے بنگلے تھے، جن کے احاطوں میں بغیچے تھے۔ ۲۱۷ کی تلاش میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ ہر بنگلے کے احاطے کے دروازے پر ایک طرف نام کی تختی تھی اور دوسری طرف اس کا نمبر۔ ۲۱۷ کے دروازے پر جس نام کی تختی لگی تھی وہ بالے کے لیے انجانا تھا۔ اس پر لکھا تھا کرنل بخت بہادر۔ بالے کی سمجھ میں نہ آیا کہ خان کے یہاں موجود ہونے کا جواز کیا ہو سکتا ہے۔ اسے یہ تو اطلاع مل چکی تھی کہ وہ پنچم پور پہنچ رہا ہے، مگر وہ کب آیا اور کیسے آیا، یہ نہ معلوم ہو سکا۔ بس اس وقت اچانک ہی اسے ایس پی کی معرفت اطلاع مل گئی۔

اس نے ایک بار نمبر کی تختی کو غور سے دیکھا مبادا کسی غلط جگہ نہ گھس جائے، مگر نمبر ۲۱۷ ہی تھے۔ اس نے پھر پھاٹک کو دھکیل کو کھولا اور موٹر سائکل سمیت اندر داخل ہو گیا۔

بنگلے کا برآمدہ سونا تھا، البتہ پورٹیکو میں ایک مٹیالے رنگ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اسے سب سے پہلا انسان جو اس سنسان سی جگہ پر نظر آیا وہ ایک بڑی بڑی مونچھوں والا لمبے قد کا ادھیڑ عمر آدمی تھا جس نے ایک خاکی پتلون اور خاکی کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ ساول سے بغیچے میں پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ بالے کو اس نے ایک نظر دیکھا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ بالے نے اندازہ کر لیا کہ اس فوجی قسم کے لباس میں یقیناً یہی کرنل ہوگا۔ وہ ذرا مؤدب ہو کر قریب پہنچ گیا۔

"معاف کیجیے گا کرنل صاحب۔" اس نے اسے مخاطب کیا اور وہ آدمی بالے کی

طرف دیکھنے لگا۔

"کاہے کی معافی مانگت ہو بابو؟" بڑی مونچھوں والے نے سادگی سے پوچھا اور بالے کی کھوپڑی چکرا گئی۔ کیا یہ کرنل ہو سکتا ہے؟ لیکن اچانک یہ سوچ کر کہ بڈھا اسے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے، وہ مسکرا دیا۔ مگر ادھیڑ عمر آدمی خود ہی پھر بول اٹھا۔

"کنڈیل صاحب ادھر پیچھے کے برانڈے میں آہیں۔"

"تو آپ کی تعریف؟" بالے نے ذرا چونک کر پوچھا۔

"ہمارا کاہے کی تاریف، ہم مالی سکھدیو آہیں۔" یہ کہہ کر وہ بڈھا اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اور اس وقت بالے کا جی چاہا کہ اپنا ہی جوتا اتار کر اپنے سر پر دس بیس جوتے مارے۔ علمِ قیافہ تو رہا ایک طرف، آخر اسے اس ادب سے مخاطب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

وہ کوئی جواب دیے بغیر دائیں بازو سے گھوم کر بنگلے کے عقبی حصے کی طرف جانے لگا۔

مگر عقبی برآمدے کے نزدیک پہنچ کر وہ پھر ٹھٹک گیا۔ اس کی آنکھیں دفعتاً دھوکہ نہیں کھا رہی تھیں۔ وہی بڑی بڑی مونچھوں والا مالی تھا، لیکن خاکی کوٹ کی جگہ وہ سفید کوٹ پہنے تھا اور اس کے سر پر ایک سفید ٹوپی تھی۔ اس نے پھر اسے ایک بار غور سے دیکھا، ممکن ہے بڑی مونچھوں کی وجہ سے وہ مالی کا ہم شبیہہ معلوم ہو رہا ہو اور کوئی ہو یا خود کرنل ہو۔ اس کی تذبذب میں پڑ کر وہ چکرا سا گیا کہ آخر کس انداز میں اس سے گفتگو کرے، لیکن اس آدمی نے خود ہی اس کی مشکل حل کر دی۔ وہ خود اس سے مخاطب ہو گیا۔

"یس پلیز۔"

اور اس کے منہ سے انگریزی کے یہ الفاظ سن کر بالے کو اپنی کھوپڑی کی ایک بار پھر مرمت کر کے یہ یقین پیدا کرنا پڑا کہ یہ کرنل ہے مالی نہیں ہے، صرف شباہت ملتی ہے، ورنہ انگریزی کیسے بولتا۔

"آپ ہی کرنل بخت بہادر ہیں؟" بالے نے انگریزی میں پوچھا۔

"اوہ، آپ کو کرنل صاب منگتا۔ کون سے ملک سے آیا آپ؟" وہ بمبئی کے بیروں جیسی زبان میں بولا۔

"تو تم بھی کرنل نہیں ہو؟" بالے جھنجلا گیا۔

"صاحب، یہ تو سن چودہ ۱۹۱۴ء کی لڑائی میں کرنل بنتے بنتے رہ گیا تھا۔ ہم ایک جرنیل صاحب کے پٹی کی جان بچایا تو جرنیل صاب ہم کو بولا کیا منگتا؟ ہم بولا کرنیل بنا منگتا۔ جرنیل صاب بولا اچھا اور ہنگلینڈ جا کے تم کو کرنیل بنا دینگا۔ مگر صاب اپنا لک سالا کھراب تھا۔ جرنیل صاب ہنگلینڈ گیا تو اس کا ہارٹ فیل ہو گیا اور اپنا کرنیلی فیل ہو گیا۔" وہ ایک ہی سلسلے میں بولتا چلا گیا۔

"اچھا، خیر خیر، مگر سروست آپ کیا ہیں؟" بالے نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"صاب، دست وست تو اپنے کو نئیں آتا، اپن تو کرنیل صاب کا بیرا ہے، شمشیر خاں۔" اس نے جواب دیا۔

"خوب۔" بالے ہنس پڑا۔ "یہاں کوئی صاحب بمبئی کے آکے ٹھہرے ہوئے ہیں؟" بالے نے اس سے ہی پوچھا۔

"ایک صاب آیا تو ہے، آدھا گورا آدھا کالا، بڑا اکڑ وا لوم ہوتا ہے۔ بات کرتا ہے تو ایسا موافق جیسے لفٹن جرنیل ہو۔ لفٹن جرنیل سمجھتا، صاب؟"

"ہاں سب سمجھتے ہیں، مگر وہ ہیں کہاں؟" بالے نے جھنجلا کر پوچھا۔

"کرنیل صاب کو پوچھو صاب، اپن تو شمشیر خاں ہے۔" اس نے برآمدے میں میز پر پڑے ہوئے اخبار جمع کرتے ہوئے کہا۔

"اور کرنیل صاحب کہاں ملیں گے؟" بالے نے سوال کیا۔

"آپ ادھر، اس کوریڈور سے جاؤ، دائیں گھوم کے بائیں گھومنا۔ سامنے صاب کا

ڈرائیونگ روم (ڈرائنگ روم) ہے۔ اس کے دروازے کی گھنٹی مارنا، کرنیل صاحب خود آپ کو اندر مار لے گا۔'' اس نے کاریڈور کی طرف اشارہ کیا، جو داہنی سمت ایک دروازے سے شروع ہوا تھا۔

بالے اس میں داخل ہو کر اس کی ہدایت کے مطابق چلتا ہوا جب اس دروازے پر پہنچا جس پر مخمل کا سرخ پردہ پڑا تھا تو اس پر باہر باقاعدہ تختی لگی ہوئی تھی، 'ڈرائنگ روم'۔ اس نے دروازے کی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ جواب میں اسے اندر سے ایک بھاری سی آواز سنائی دی۔

''ہواز دیئر، کم ان۔''

وہ اندر داخل ہو گیا، مگر اس کی کھوپڑی پھر چکرا گئی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس آدمی کو دیکھنے لگا، جو سامنے صوفے پر بیٹھا، تپائی پر رکھی پلیٹ میں سے کاجو نکال نکال کر چبا رہا تھا۔ اس نے سرسری نظر سے بالے کی طرف دیکھا اور پھر کاجو ٹٹولنے لگا۔

''کیا بات ہے؟ کس قسم کا چندہ مانگنے آئے ہیں آپ؟'' وہ بھاری آواز میں بولا۔

''پہلے مجھے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ آپ کون ہیں؟'' بالے نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے؟'' وہ اس سے پوچھنے لگا۔

''آپ اگر سکھ دیومالی نہیں تو شمشیر خاں ہیں۔''

''نانسنس۔'' اس نے سر کو جھٹکا۔

''تب پھر آپ ان دونوں کے بھوت ہیں۔''

''شٹ اپ۔ نوجوان، تم کرنل بخت بہادر سے مخاطب ہو۔''

''آپ ہرگز کرنل نہیں ہیں۔''

''میں کرنل ہوں۔ میری روح کرنل ہے۔ میرے فرشتے کرنل ہیں۔ تم کون ہوتے ہو میری کرنلی سے انکار کرنے والے۔ میں تمہارا کورٹ مارشل کرا دوں گا۔''

"تو پھر وہ سکھ دیو مالی اور شمشیر خاں بھی کرنل ہوں گے؟" بالے جھنجلا گیا۔

"اوہ، تو تم لفٹنٹ سکھ دیو اور کیپٹن شمشیر خاں کا ذکر کر رہے ہو۔" کرنل بڑی سنجیدگی سے بولا۔ اور بال کی عقل جواب دینے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس چکر میں آ پھنسا۔ آیا یہ صاحب خانہ احمق ہے یا اسے احمق بنایا جا رہا ہے۔ اس کو تلاش تھی تو خان کی اور پھنس گیا اس چکر میں۔

"صاحب، آپ کرنل بخت بہادر ہو یا شمشیر بیر یا سکھ دیو مالی، مجھے آپ سے کوئی کام نہیں، مجھے تو آپ کے مہمان سے ملنا ہے۔"

"نانسنس، اتنی بے نیازی، یہ انسلٹ۔ یعنی کرنل بخت بہادر کی تمہاری نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔ چلے جاؤ نکل جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔" کرنل کو اچانک غصہ آ گیا۔

"اوہ، تو یہ شاید میرے ساتھ کوئی فراڈ کیا گیا ہے۔ کون ہو تم؟" بالے نے جھٹکے سے پستول نکال لیا۔

"وہاٹ..." کرنل حلق کے بل چیخا۔ "میں خود تمہیں دس ہزار بار گولی مار دوں گا، توپ سے اڑا دوں گا۔ بیوقوف نوجوان، تم کرنل بخت بہادر کو نہیں جانتے۔" یہ کہتے ہوئے وہ چیخنے لگا۔ "میجر، میجر، میری بندوق، مائی گن۔ دشمن میرے کیمپ میں گھس آیا ہے۔"

"یس، پاپا۔" دوسرے کمرے سے ایک مہین سی لچکتی آواز سنائی دی۔ اور اس کے فوراً بعد ہی پچھلے دروازے کا دروازہ کھلا اور باے کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ سرخ لباس میں شیروڈ فارسٹ کے باغیوں جیسا چست، جس نے اس کے سڈول بدن کے ہر حصے کو نمایاں کر رکھا تھا، اس کے سرخ و سفید جسم پر ایسا کھل رہا تھا جیسے ایک شعلہ نور انسانی خاکے میں ڈھلا ہوا ہو۔ اس کے گول چہرے کے نقوش بھی بڑے پرکشش تھے۔ اور بڑی آنکھوں کی گھنیری پلکیں ایسی لگ رہی تھیں جیسے دو بڑے بڑے موتیوں پر باریک تار کی جھالریں لگا دی گئی ہوں۔ اس کے ہاتھ میں ایک بندوق تھی۔ وہ شاید جلدی میں ننگے پیر ہی آ گئی تھی۔ پنڈلیوں تک کسی ہوئی اس کی

سرخ جرجیس کے نیچے اس کے گورے پیر اور گول پنڈلیاں اگر شوکت دیکھ لیتا تو سچ مچ کی شاعری کرنے لگتا۔

"اوہ، تمھیں سو بار کہا کہ ہمارے سامنے آؤ تو پہلے سیلوٹ کیا کرو۔ اور یہ پاپا کونسا جانور ہوتا ہے، تمھیں معلوم نہیں ہم کرنل ہیں؟"

"یس، سر۔" لڑکی نے معصومیت سے گردن ہلائی اور بالے کو اس کی یہ ادا اتنی بھلی لگی کہ وہ کھوئی کھوئی نظروں سے اس کا منہ ہی تکتا رہ گیا۔ وہ بھی بالے کو دیکھنے لگی تھی۔

"میجر۔" کرنل نے چیخ کر کہا۔

"یس، پاپ، نو آئی ایم ساری، کرنل۔"

"پیر میں جوتے کہاں ہیں؟" کرنل نے اس کے پیروں کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے۔" وہ اچھل سی پڑی۔ "میں تو بھول ہی گئی۔"

"وہاٹ نانسنس۔" کرنل نے برا سا منہ بنایا۔ "ناٹ لائک اے میجر۔"

"یا... یس سر۔" لڑکی اٹینشن ہو گئی۔

"اس آدمی کو فیلڈ مارشل، نہیں کورٹ مارشل کر دو۔" کرنل نے بالے کی طرف اشارہ کیا۔

"اب ضرورت نہیں، کرنل۔ میں ہتھیار ڈالے دیتا ہوں۔" بالے نے بری سی صورت بنا کر روندھی سی آواز میں کہا۔

"ہائیں، یعنی کہ سرنڈر۔"

"یس، کرنل۔" بالے نے اور زیادہ روندھی شکل بنالی اور لڑکی بے اختیار ہنس پڑی۔

"مگر کیوں؟" کرنل نے حیرت سے پوچھا۔ "ابھی تو گولی بھی نہیں چلی؟"

"چل چکی، کرنل۔ آپ کا دشمن شہید بھی ہو گیا۔" یہ کہتے ہوئے بالے وہیں صوفے

پر دھڑام سے بیٹھ گیا۔

"بھئی خوب۔" ایک آواز آئی اور ساتھ ہی ایک بھاری قہقہہ سنائی دیا۔

بالے چونک پڑا، کیونکہ اس قہقہے کے ساتھ کرنل کا قہقہہ بھی شامل ہو گیا تھا۔ البتہ لڑکی کچھ شرمائی سی تھی۔ بالے کے کان اس لیے کھڑے ہوئے تھے کہ پہلا قہقہہ سوائے خان کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا اور لمحہ بھر بعد اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ خان اس عقبی دروازے سے اندر آ پہنچا۔ کرنل کا قہقہہ ابھی تک نہیں رکا تھا۔

"میں نے کہا تھا، کرنل۔" خان بالے کی بجائے کرنل سے مخاطب ہوا۔ "اس کمبخت کی تان ہمیشہ یہاں ٹوٹا کرتی ہے۔"

"دیکھ لیا، دیکھ لیا۔" کرنل ہنسی جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "اگر غزل نہ آتی تو شاید یہ مجھ سے لڑ بھی پڑتے۔" کرنل نے جواب دیا۔

"غزل؟" بالے چونک کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ واقعی وہ مرصع رومانی غزل کی طرح ہی حسین اور پرشباب تھی، لیکن یہ نام؟

"آپ نے مجھے فوراً طلب کیا تھا، حالانکہ یہاں دیر سے مجھے بیوقوف بنانے کا چکر چل رہا ہے۔" بالے خان کو دیکھ کر اٹھتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولا۔

"ارے بھئی، میں نے تمہاری خوش طبعی کی بہت سی تعریف کر دی تھی کرنل سے اور اسی لیے یہ تمہارا امتحان لے رہے تھے۔ ویسے یہ خود بڑے بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔" خان نے ہنستے ہوئے بالے سے کہا۔

"وہ تو خیر۔" بالے بولا۔ "لیکن ارباب ثلاثہ والا قصہ کیا ہے؟"

"اوہ، مگر وہ مذاق نہیں ہے۔ دراصل کرنل اپنے کام خود ہی کرنے کا شوق رکھتے ہیں اور جب وہ بغیچے میں پانی دیتے ہوئے ہوتے ہیں تو سکھ دیو مالی بن جاتے ہیں، جب باورچی خانے کا رخ کرتے ہیں تو شمشیر خاں بن جاتے ہیں۔" خان نے کرنل کا تفصیلی تعارف کرایا۔

"بہت خوب۔ زندگی میں پہلی بار ہی ایسی شخصیت کا نیاز حاصل ہوا ہے۔" بالے نے ہنس کر کرنل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"بیٹے، زندگی ہنستے ہنستے جینے کا ہی نام ہے۔" کرنل نے یہ کہتے ہوئے مصافحہ کرنے کی بجائے اس زور سے بالے کی پیٹھ پر ہاتھ مارا کہ وہ کھڑے کھڑے صوفے پر جا بیٹھا۔ خان پھر ہنس دیا اور کرنل بھی ہنسنے لگا۔ ہنسی غزل کو بھی آئی تھی، لیکن اس نے رخ پھیر لیا تھا۔ لیکن بالے نے اس اتفاق کا کوئی اثر نہیں لیا۔ دراصل نہ تو کرنل نے اسے گرایا تھا، نہ اس میں کسی کمزوری کو دخل تھا، وہ بس کھڑا ہی اس طرح ہوا تھا کہ ذرا دھکے سے بھی گر پڑتا۔

"اچھا اب ذرا منہ ہاتھ دھو کر آدمی بن جاؤ، باقی باتیں چائے کے بعد ہوں گی۔" کرنل بڑی بے تکلفی سے یہ کہہ کر بالے کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا باہر چلا گیا اور غزل نے اپنی غزالی آنکھوں سے ایک بار پھر اس پر گولی مار کر دروازے کی آڑ لے لی۔ وہ شاید لباس تبدیل کرنے چلی گئی تھی۔

"آؤ، تمہیں ایک تماشا اور دکھا دوں۔" خان نے بالے کو بازو سے تھام کر اٹھا لیا۔

"لیکن وہ کیس؟"

"اوہ، اب ایسی جلدی بھی کیا ہے، ہونے والی بات تو ہو ہی چکی ہے، البتہ اگر مجھے پولیس اسٹیشن والوں کی اس حماقت کا علم ذرا دیر پہلے بھی ہو گیا ہوتا تو میں ایسا نہ ہونے دیتا۔" خان نے چلتے ہوئے کہا۔

"تو یعنی آپ یہاں پہلے سے موجود تھے۔"

"تھا بھی اور نہیں بھی تھا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"بظاہر تو نہیں تھا۔"

"سمجھ گیا۔ تو پھر مجھے وہاں سے پیغام بھیج کر کیوں بیوقوف بنا رہے تھے آپ۔"

"ارے نہیں بھئی، مجھے اس شہر میں آئے ہوئے ابھی صرف ۲۴ گھنٹے ہی ہوئے ہیں، میں سمجھ رہا تھا کہ اس لڑکی کو تم ہینڈل کر لو گے، اس لیے میں سامنے نہیں آیا۔ مگر آج کے کیسز نے مجھے مجبور کر دیا کہ کھل کر سامنے آجاؤں۔"

"تو ابھی تک کیا آنکھ مچولی ہو رہی تھی؟"

"گدھے ہو تم، اگر انھیں میرے یہاں پہنچنے کی خبر نہ ملتی تو کیلی کو ہر قیمت پر اس طرح ختم نہ کر دیا جاتا، وہ تمہاری شخصیت سے زیادہ واقف نہیں معلوم ہوتے، لیکن مجھے اپنے لیے کوئی بڑا خطرہ ہی سمجھ رہے ہیں۔"

لیکن انھیں کیسے معلوم ہوا ہوگا کہ آپ آئے ہیں؟"

"یہ ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی عقلمندی ہے جنھوں نے ریلوے اسٹیشن پر کسی آدمی کو بتا دیا تھا کہ بمبئی سی آئی ڈی کا ایک بڑا آفیسر یہاں آنے والا ہے۔ اور میں جب ٹرین سے نہیں اترا تو یہاں کی عقلمند پولیس تو اسے ایک مغالطہ ہی سمجھ کر رہ گئی، لیکن اس نامعلوم گروہ نے میری تلاش نہیں چھوڑی۔ وہ سمجھ گئے کہ میں کسی نہ کسی طرح یہاں آچکا ہوں اور اسی لیے اس لڑکی کا خون کیا گیا کہ کہیں میں اس تک نہ جا پہنچوں۔"

☆☆☆☆☆☆

توبہ در توبہ

خان گفتگو کرتے کرتے درمیانی کمرہ بھی عبور کر گیا، لیکن جو منظر اچانک بالے کے سامنے آیا وہ حیران کن بھی تھا اور قہقہہ انگیز بھی۔

ایک موٹا سا تندرست آدمی کمرے کی چھت میں لگے ہوئے دو آنکڑوں سے الٹا ٹنگا ہوا تھا اور اس کا سر درمیان رکھی میز سے تقریباً نصف فٹ اوپر ایک تکیے پر ٹکا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے گالوں پر تھپڑ مار مار کر، "یا اللہ توبہ... توبہ استغفار... یا اللہ میری ایسی تیسی... یا اللہ ماف کر... یا اللہ توبہ... سو بار توبہ... ہزار بار توبہ... کروڑ دس کروڑ بار توبہ... اب جو سالی کسی لونڈیا کے چکر میں پڑوں تو شیطان سے لانت۔ اللہ توبہ توبہ... توبہ توبہ... بھوت بھوت تابہ۔ املی کے پیڑ پے جتنے پتے ہوتے ہیں اتی مرتبہ توبہ، گنجے کے سر پے جتنے بال ہوتے ہیں... نہیں نہیں، گنجے کے کاں ہوتے ہیں بال۔ یانی اورت کے سر پے جتے بال... لاحول ولاقوۃ... پھر اورت، ہوشت۔ اچھا آسمان میں جتنے تارے ہوتے ہیں، اتی مرتبہ توبہ، جو اب کبھی کسی سالی کو منہ لگاؤں ہوشت۔ سالے رومان مومان ہوشت۔ لاحول ولاقوۃ۔ یانی پناہ مانگتا ہوں میں ہر لڑکی مڑکی سے جوان ہو یا بجھصورت، سالی موٹی یا دبلی۔ سالی گوری ہو یا کالی۔ اللہ معاف کر اپنے اس ناچیز بندے کو۔ اب اس الو کے پٹھے کو۔ ہائے، کتنا ذلیل کرایا سالی ایک لڑکی نے۔ یانی حوالات تک۔ ہوشت۔ سالی ماما ہوا (حوا) کی بیٹی دختِ رز، سلای جنٹ کی حور، دوزخ کی چڑیل، اللہ بچائے۔ توبہ توبہ... توبہ توبہ..."

اور یہ سب کچھ بالے سے ہرگز برداشت نہ ہوتا اگر خان نے اس کا منہ نہ دبا دیا ہوتا۔ اس صورتِ حال سے وہ خود بھی لطف لے رہا تھا اور دراصل جب سے شوکت کو صرف اس وعدے پر سنٹرل پولیس اسٹیشن سے رہا کروا کر لایا تھا کہ اب وہ رومان، عورت، لڑکی اور اس قسم

کے ہر چکر سے توبہ کرے گا، تب سے ہی شوکت گزرے ہوئے واقعے اور حوالات کے عرصے کو یاد کر کے چھت سے الٹا لٹک کر توبہ استغفار میں مصروف تھا۔ یہ اس کی اپنی ہی سوچ تھی تاکہ شاید اس طرح سے اس کے دل کو سکون مل جائے اور وہ اس بے عزتی کو بھول جائے۔ خان نے اسے کمرے میں آرام کرنے کے لیے چھوڑ گیا تھا، لیکن شوکت تب سے ہی الٹا لٹک کر توبہ میں مصروف تھا اور یہ الٹا لٹکنا بھی اس طرح تھا کہ سر میز پر رکھے تکیے پر ٹکا تھا اور ٹانگیں اوپر کنڈوں میں اٹکی ہوئی تھیں۔ سوائے اس کے کہ آنتیں نیچے اتر آئیں اور کوئی خطرہ نہ تھا۔ "ارے بھئی بس کرو شوکت میاں۔" خان کی آواز نے اسے چونکا دیا اور اس کی توبہ ذرا ٹھہر گئی۔

"نہیں خان صاحب، آج مت منائیے۔ آج تو جب تک علمِ غیب میرے دل کے اندر سے نہیں بولے گا کہ جاؤ معاف کیا، میں الٹا ہی لٹکا رہوں گا۔" شوکت نے اسی طرح لٹکے لٹکے جواب دیا۔

"خیر، بہت ہو گئی توبہ۔ آئندہ کے لیے اتنا ہی سبق کافی ہے۔"

"نہیں خان صاحب، مجھ گدھے کو تو آپ اور گھاس کھانے دیجیے، یانی توبہ کرنے دیجیے۔ میں نے باپ دادا کا نام خوب روشن کیا ہے۔ کون کیا کہے گا کہ ایسے ہوتے ہیں شوکت خاں جاگیردار۔ لونڈیوں کے چکر میں حوالات میں بند اور اللہ بیڑا غرق کرے بالے بھائی کا۔ یہ سب اسی کے طفیل ہے۔ اللہ ان سے ڈبل توبہ کروائے۔ اور جو کبھی منہ میں دیکھوں ان کا تو ہوشت، اللہ نہ دکھائے۔" شوکت بڑبڑاتا گیا۔

"واقعی سارے فساد کی جڑ تو وہی ہے۔" خان نے ہنس کر کہا۔

"اور نہیں تو۔ یانی کرے ڈاڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا۔ یانی لگائی سکھائی سب ان کی اور توبہ کرنی پڑ رہی ہے مجھے۔"

"اچھا بس اب رہنے دو، باقی توبہ بالے کر لے گا۔"

"اے لو، وہ اور توبہ کرے۔ یانی سوچو ہے کھا کے بلی حج کو جائے گی بھلا۔ وہ تو اپنا

ہی قصور ہے۔ یانی نہ ایسوں سے دوستی کرتے نہ یہ دن دیکھتے۔ ہوشت، سالی تیل لینے گئی ایسی دوستی۔“

”اور پھر جو کبھی دیکھا میں نے اس کے ساتھ۔“

”کبھی نہیں، اللہ قسم، کبھی نہیں۔ میں تو ہزار ہزار، دس ہزار بار لانت بھیجتا ہوں اس چوکھٹے پر۔“

”سن لیا، بیٹے۔“ خان نے مسکرا کر بالے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”الٹا لٹکنے کی وجہ سے وہ تمھیں پہچان نہیں سکا ہے۔“ مگر خان کی آواز شاید شوکت ن بھی سن لی۔

”آپ کے ساتھ کوئی اور بھی کھڑا ہے، خاں صاحب؟“

”ہاں ہیں تو ایک صاحب۔“

”ان سے کہیے مجھے دیکھ کے عبرت حاصل کریں۔ ہائے، میں کتنا موزز آدمی، اور کیا کیا بے ازتی نہیں ہوئی۔“

”آپ اسے سیدھا کر دیجیے، تب میں اسے الٹا کروں گا ذرا۔“ بالے نے خان سے کہا۔

”نہیں، بس۔ تم اسے ایسے چکروں میں نہ ڈالا کرو، بیوقوف قسم کے لوگوں کے احساسات بھی بڑے نازک ہوا کرتے ہیں۔“ خان نے بالے کو نصیحت کی۔

”اچھا میں دوسرے کمرے میں جاتا ہوں، آپ اس کے سامنے مجھ بلا کر کچھ ڈانٹیں سنا دیجیے گا، اس کو تسکین مل جائے گی۔“ بالے نے مشورہ دیا اور خان نے قبول کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بالے پیچھے ہٹ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور خان نے میز پر چڑھ کر زبردستی شوکت کے پیر کنڈے سے نکال دیے۔ وہ اپنا وزن نہ سنبھال سکا اور میز سے لڑھک کر فرش پر آ رہا۔

☆☆☆☆☆☆

بالے چکر میں

کچھ دیر بعد بالے سپرنٹنڈنٹ خان کے سامنے بیٹھا اسے اپنی رپورٹ سنا رہا تھا۔

"اور تم نے فرنانڈیز کے مکان کے سامنے آدمی ٹہلا کر شاید اس پر نفسیاتی اثر ڈالنے کی کوشش کی ہوگی؟" خان نے مسکرا کر پوچھا۔

"طریقِ کار تو غیر معقول نہیں تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اسے غافل رکھ کر ہی زیادہ معلومات فراہم ہو سکتی تھیں۔" خان نے کہا۔

"اس وقت تو میں اکیلا ہی تھا اس لیے میں نے کچھڑی جلد پکانے کی کوشش کی تھی۔"

"خیر، برے نہیں رہے۔ تم اسی راستے پر چلو۔"

"یعنی؟"

"وہ جو نقلی وکیل مارا گیا ہے، وہ فرنانڈیز کی کمپنی کا ہی ایک ٹورنگ ایجنٹ تھا۔" خان نے بتایا۔

"تو یعنی آپ نے یہاں تک معلوم کر لیا؟"

"میں قابلِ توجہ باتوں پر پہلے توجہ دیا کرتا ہوں۔"

"اور وہ پارک ایونیو والا مکان؟"

"ناممکن ہے اب۔ اس حد تک چونک پڑنے کے بعد وہ اس جگہ نہ ملیں گے۔ پھر بھی اس کی خفیہ نگرانی کا انتظام کرا دیا جائے گا۔ ویسے وہ لنگڑا جس کا تم نے ذکر کیا ہے، اس کیس میں یقیناً ایک اہم رول ادا کر رہا ہے، اسے ضرور تلاش کرنا پڑے گا۔"

"کیا آپ ان وارداتوں میں استعمال کیے جانے والے ان ذرائع پر روشنی ڈال سکیں گے، جن سے اس پراسرار طریقے پر موتیں واقع ہوئی ہیں؟"

”میں سمجھتا ہوں وہ فوری طور پر اعصاب پر اثر انداز ہونے والی کسی زہریلی گیس کا نتیجہ ہیں۔“

”کمال ہے۔ اور یہاں کی پولیس اور طبی ماہرین اتنے دنوں سے سر پھوڑ کر بھی اتنی سی بات نہ جان سکے۔“

”یہاں کی زندگی پر اسرار قسم کے جرائم کے لیے قطعی غیر مانوس رہی ہے۔“

”تو اس طرح تو یہ حملہ ہم پر بھی کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔“ بالے ن فکر مند لہجے میں کہا۔

”یقیناً، لیکن اس کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیا ہوگا۔“

”تو ہیڈ کوارٹر یہی رہے گا؟“

”ہاں سر دست یہی، لیکن اب تم میری دوسری ہدایات تک اپنی شخصیت بدل کر اس شہر میں رہو گے۔“

”ایک بات پوچھوں؟“ بالے نے معصومیت سے پوچھا۔

”کیا؟“

”یہ کرنل صاحب کیا پورے ہیں؟“

”چند فیصدی کم تو ہیں، لیکن آدمی بہت دلچسپ اور وفادار قسم کے ہیں۔ یہ پہلے ملٹری سیکرٹ سروس میں ہی تھے۔“

”تب ہی کرنل صحیح مالی بنا خانساماں واقع ہوئے ہیں۔“

”زیادہ بے تکلفی نہ برتنا، کبھی کبھی ان کی کھوپڑی الٹے گیئر میں بھی چلنے لگتی ہے۔“

”ان کی کھوپڑی کی خدا مغفرت کرے، مجھے تو کرنل زادی پر...“

”وہاٹ؟“

”آئی ایم ساری، میرا مطلب ہے رشک آرہا ہے۔“

"کیوں کیا تم اس کے ہم جنس ہو؟"

"لاحول ولاقوۃ، مگر خوبصورتی کی تعریف نہ کرنا بھی تو کفرانِ نعمت ہے۔"

"یہ نعمت تمہارے لیے نہیں ہے، بیٹے۔ بہت جوتے پڑیں گے۔"

"آپ کی ان ہی دھمکیوں کی بدولت تو اب تک کنوارا بیٹھا ہوں اور ایسا ہی چل بسا تو عذاب آپ کی گردن پر ہوگا۔"

"بس بکواس بند کرو، جاؤ میک اپ کر کے فرنانڈیز کی خبر لو۔ ممکن ہے تمھیں مایوس ہی لوٹنا پڑے۔"

"میں جب تک اس کے متعلق پورا سراغ نہ لگا لوں گا، آپ کو منہ نہ دکھاؤں گا۔"

"اتنے مستعد ہو گئے ہو؟"

"آپ کی دعا ہے۔"

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ اچانک دروازہ کھول کر شوکت آ پہنچا۔ بالے پر نظر پڑتے ہی وہ چونکا۔ پھر اس کے چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہو گئے۔

"تو یانی کہ آپ پونچ گئے یاں بی اپنی منحوس صورت لے کے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں کیا ہوا ڈیئر؟"

"ڈیئر گئے تیل لینے، وہ تو خاں صاحب نے سمجھا دیا نہیں ہوتا تو بتاتا تمھیں۔"

"کیا بتاتے؟" بالے مسکرانے لگا۔

"یانی کہ غداری کا کیا سلا ملتا ہے۔"

"سلا سلایا ملتا ہے۔" بالے بول اٹھا۔ خان مسکرا دیا۔

"کیا؟"

"یانی کہ غداری کا۔"

''اے لو، بے شرم کی بلا دور۔ اتنا کچھ کر کے بھی مذاق فرما رہے ہیں آپ۔''

''خیر، خیر، ابھی جانے دو یہ جھگڑا، بھئی شوکت میاں۔ انھوں نے بھی توبہ کرلی ہے۔'' خان نے شوکت کو سمجھایا۔

''کون؟ یہ؟'' شوکت نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''ارے یہ تو چلتے توے پے بھی توبہ کریں تو بھروسہ نہیں ان کا۔ آپ کو خوش کرنے کو کرلی ہوگی۔'' شوکت کو اس پر اعتبار نہیں آیا۔

''نہیں شوکت بھائی، سچ مچ کی توبہ کرلی ہے۔'' بالے خود بول پڑا۔

''اچھا کھاؤ اللہ قسم۔''

''اللہ قسم۔''

''یانی کیا؟''

''یانی توبہ کرلی ہے۔''

''ہوشت، ایسے الگ الگ نئیں، ایک ساتھ بولو۔''

''پھر کبھی، اس وقت انھیں جانے دو۔ جاؤ بالے، تیاری کرو۔''

لیکن باہر نکل آنے پر بھی شوکت کے بڑبڑانے کی آواز بالے کے کانوں میں آتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆

بالے کو وہ آدمی فرنانڈیز کے مکان کے سامنے ہی فٹ پاتھ پر موجود ملا۔ اس نے بتایا کہ ابھی تک نہ تو کسی نے اس سے کچھ پوچھا ہے، نہ سامنے والی عمارت سے اس کی طرف کوئی توجہ دی گئی ہے۔ بالے نے اسے پیسے دے کر رخصت کردیا اور خود پاس کے ہی ایک ریسٹورنٹ میں وہ کچھ اس انداز سے داخل ہوا تھا کہ کسی نے اسے اس کے اندر جاتے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ ویسے اس وقت وہ ایک بڑھی ہوئی ڈاڑھی اور کھچڑی دار بالوں والے لاابالی قسم کے

معمولی آدمی کے بھیس میں تھا۔ اس آدمی نے اسے صرف اس کی گفتگو سے ہی پہچانا تھا۔ بالے نے اشارے سے اسے علیحدہ بلا کر ہی بات کی تھی۔

یہاں اسے ایک آدمی اور بھی ایک ٹیبل پر بیٹھا نظر آیا جو باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالے نے بغیر خواہش کے ہی ہوٹل کے ملازم سے چائے منگوائی اور آہستہ آہستہ اس کی چسکیاں لینے لگا۔ چند لمحوں کے بعد ہی اس کی نگاہیں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ ایک نوجوان سا آدمی اندر داخل ہو رہا تھا اور اس کی نگاہیں اس آدمی پر مرکوز تھیں جو پہلے سے وہاں موجود تھا۔ وہ سیدھا اسی کے پاس پہنچ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"باس سے کہہ دو وہ آدمی پھر غائب ہو گیا ہے۔"

"تمہارے لیے آرڈر ہے کہ اس کا پتا چلاؤ۔ کون ہے اور اس کی اس حرکت کا مقصد کیا ہے۔" آنے والے نے کہا۔

"یہ آرڈر کچھ پہلے لائے ہوتے، اب تو وہ جا چکا ہے۔"

"میں نے اس آدمی کو اکثر مچھیروں کی بستی میں پل کے پار دیکھا ہے۔"

"اچھا میں پتا لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"کوشش جیسا کوئی لفظ باس سننا نہیں پسند کرتا تمہیں معلوم ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" یہ کہہ کر پہلا آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا بل دوسرے نے چکایا اور وہ دونوں باہر نکل گئے۔

بالے کو اس اطراف میں تقریباً دو گھنٹے انتظار کرنا پڑا تب کہیں اسے ایک بیوک کار اس مکان کے دروازے پر رکتی نظر آئی۔ ہوٹل کا بل چکا کر وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ فٹ پاتھ کو عبور کر کے سڑک پار کرتا ہوا وہ اس کار کے نزدیک پہنچ گیا۔ کار میں ایک آدمی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ پی کیپ آگے کی طرف اتنی جھکی ہوئی تھی کہ اس کا چہرہ صاف نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے ایک بار کار کا ہارن بجایا اور پھر خموشی چھا گئی۔ بیوک کی اسٹپنی کافی بڑی تھی اور ہاتھ لگانے سے

معلوم ہوا وہ مقفل نہیں ہے۔ بالے بڑی تیزی سے اسے کھول کر اندر داخل ہوگیا، لیکن بڑی مصیبت یہ تھی کہ اندر دم گھٹنے کا ڈر تھا۔ اس کو یاد آگیا کہ اس کی جیب میں پلاسٹک کی ایک نلکی موجود ہے جو ان ضروری اشیاء میں سے تھی جنہیں ایسے موقعوں پر استعمال کے لیے وہ جیب میں ہی رکھا کرتا تھا۔ اس وقت باہر سے ہوا کھینچنے کے لیے وہ کام آگئی۔ اس نے جو کچھ کیا تھا محض شبے کی بنا پر کیا تھا۔ اور یہ ایک ایسا قدم تھا جس کا نتیجہ برعکس یا غلط بھی نکل سکتا تھا۔ ویسے اسے اس بات پر بھروسا تھا کہ اس کی محنت رائے گاں نہ جائے گی۔ ابھی بمشکل ایک منٹ ہی گزرا تھا کہ اسی عمارت سے ایک ساتھ تین آدمی برآمد ہوئے۔ درمیان میں فرنانڈیز ہی تھا اور اس کے دائیں بائیں دو تندرست قسم کے آدمی جو فیلٹ ہیٹ پہنے ہوئے تھے اس انداز سے چل رہے جیسے وہ اسے اپنے حلقے میں رکھنا چاہتے ہوں۔ ان کے ہاتھ ان کی جیبوں میں تھے اور فرنانڈیز کا چہرہ کچھ ستا ہوا سا نظر آرہا تھا۔

اس کار کا پچھلا دروازہ کھول کر وہ اس میں بیٹھ گئے اور کار اسٹارٹ ہوگئی۔

”میں یہ بےعزتی گوارا نہیں کرسکتا۔“ فرنانڈیز ان سے کہہ رہا تھا۔

”تمہیں جو کہنا ہے باس سے کہنا۔“ ان میں سے ایک نے بگڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”تم وہی لوگ ہو نا جو کل تک میرے حکم پر جان دیتے تھے۔“ فرنانڈیز کا لہجہ زہریلا ہوگیا۔

”بےشک، اس لیے کہ تم کو باس نے ہمارے اوپر مقرر کیا تھا۔ مگر اب نہیں۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔

”تم اس نمک حرام کے اشاروں پر ناچ رہے ہو جس کے بارے میں تم خود نہیں جانتے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔“ فرنانڈیز نے انھیں بھڑکانے لگا۔

”خاموش رہو، باس کے خلاف اب کچھ اور منہ سے کہا تو تمہاری لاش یہیں سڑک پر

پڑی ہوگی۔۔" اس آدمی نے جیب میں رکھے ہوئے پستول کی نالی فرنڈیز کی پیٹھ سے لگادی۔ فرنانڈیزا ہونٹ چبا کر خاموش رہ گیا اور کار چلتی رہی۔

بالے اس نکی کی سوراخ سے پیچھے سڑک پر نظر آنے والے بعض سائن بورڈ اور بعض عمارتوں کی مخصوص شکلیں ذہن میں محفوظ کر رہا تھا، لیکن پھر کار اتنی تیز ہوگئی کہ وہ صرف اس کی رفتار کے اندازے سے سڑکوں کی لمبائی اور راستے کے موڑ کا خاکہ ہی ذہن میں مرتب کر سکا۔

اندازے کے ہی مطابق وہ کار شاید نصف گھنٹے تک دوڑتی رہی یا شاید اس سے کچھ کم، بہر حال جہاں اس کی رفتار سست پڑی اور اسے بریک لگائے گئے، وہ کوئی سونی سی جگہ ہی تھی، جہاں کار روکی گئی تھی۔ پھر اسے کار کے دروازے کھلتے ہی دو آدمیوں کے اترنے کی آواز سنائی دی اور یہ آوازیں بتدریج دور ہوتی گئیں۔ بالے نے اٹیچی کو ذرا سا اٹھا کر دیکھا، پشت کی طرف دور تک کسی ذی روح کا پتا نہیں تھا، لیکن یہ جگہ اس کے لیے قطعی غیر مانوس تھی۔ یہاں دور دور تک نیم پختہ مکانوں کے کھنڈر بکھرے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی زمانے میں یہ مقام کوئی باقاعدہ فوجی کیمپ رہا ہوگا۔ کیونکہ کھنڈروں سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ کبھی یہاں بہت سے ایک ایک دو دو دروازوں والے گودام، بیرکیں اور دفاتر کی عمارتیں ہوں گی، مگر اب یہ جگہ ویران ہو چکی تھی اور حدِ نظر تک ناہموار زمین پر کھنڈر ہی کھنڈر دکھائی دیتے تھے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے کار کی آڑ سے نکل کر دیکھا، کار کا ڈرائیو کرنے والا اسٹیرنگ پر سر رکھے اونگھ رہا تھا اور وہ تینوں سامنے کی کچی سڑک پر جس کے دونوں طرف جنگلی کنیر کی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں، چلے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک بنگلہ نما پتھریلی عمارت کا کھنڈر تھا، جس کی چھت اور چمنیاں سلامت تھیں، لیکن احاطے میں جنگلی گھاس اور خاردار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ برآمدے کا حصہ بھی شکستہ تھا اور ایک طرف کا کچھ حصہ منہدم بھی ہو چکا تھا۔ البتہ ایک چیز جو اسے نظر آئی وہ یہ کہ برقی تاروں کے کھمبے اور ان پر تاروں کا سلسلہ جو اس مقام سے گزر کر شہر کی طرف گیا تھا، اسی طرح قائم تھا اور ایک موٹے سے تار سے اس کا تعلق غالباً اس بنگلے کے

کھنڈر سے بھی قائم تھا۔

بالے نے جیب سے رومال نکالا اور اس پر کلورا فارم کے چند قطرے ٹپکا کر اسے زبردستی موٹر ڈرائیو کرنے والے کی ناک پر چپکا دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کا گلا دبا لیا تھا تاکہ آواز نہ نکل سکے۔ اس آدمی کو بیہوش ہونے میں دیر نہیں لگی۔ جلدی ہی بالے نے خود اس کا کوٹ اور پی کیپ اتار لی اور اسے گھسیٹ کر پچھلی نشست پر اس طرح دھکیل دیا کہ وہ لڑھک کر نیچے کی طرف پیر رکھنے کی جگہ گر پڑا۔ اس کے بعد بالے نے اس کا کوٹ پہن لیا اور پی کیپ لگا کر تیار ہوا ہی تھا کہ اسے سامنے ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا جو صورت شکل سے کوئی بدمعاش ہی معلوم ہوتا تھا، لیکن کپڑے اس نے ڈھنگ سے پہن رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی اور چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے زمین کو کچل رہا ہو۔ بالے نے جلدی سے جیب سے نقلی مونچھیں نکالیں اور ذرا سا تھوک لگا کر ہونٹوں کے اوپر چپکا لیں۔

"ہلو ڈنکی۔" اس نے آتے ہی بالے کو مخاطب کیا اور اس وقت اسے اندازہ ہوا کہ وہ کافی پیے ہوئے ہے۔

"ہلو۔" بالے نے پی کیپ کو آنکھوں تک جھکاتے ہوئے بھاری آواز بنا کر جواب دیا۔

"آج شاید تمھیں ایک لاش لے جانی پڑے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"باس فرنانڈیز پر بہت گرم ہے۔"

"فرنانڈیز نہیں، چھوٹا باس بولو۔" بالے نے اندازاً ٹھونکا۔

"ششش..." وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "وہ تو مر گیا، اب تو چھوٹا باس اپنا لنگڑا ہے۔ باس اس سے بہت خوش ہے۔ اس نے باس کے ایک اشارے پر تین خون کیے ہیں۔" وہ شراب کے نشے میں کہنے لگا۔

"تین کیوں؟ اور وہ پولیس کی گاڑیاں؟" بالے نے پھر اندازے سے کام لیا۔

"ارے واہ، کیا نشے میں ہو تم۔ وہ تو خود باس نے ہی کیے تھے اور کس کی اتنی ہمت ہو سکتی ہے۔" وہ نشے میں جھومتے ہوئے بولا۔

"تو میں کیا ساتھ تھا ان کے جو مجھے معلوم ہوتا۔" بالے نے برا سا منہ بنایا۔

"تو م... ارے تم کیا، کوئی بھی باس کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے قریب تو صرف فرنانڈیز، اپنا لنگڑا اسامنت یا وہ لڑکی ہی جایا کرتی تھی۔ ہائے، کیا مال تھا یار ڈنکی، ایسی لونڈیا اب کہیں دیکھنے کو بھی ملے گی، ہائے..." اس کی آواز یہ کہتے رندھی ہوگئی۔ پھر وہ رونے پر اتر آیا۔

"ہائے، بس یہی غم ہے مجھے، ڈنکی۔ جب وہ چلتی تھی تو جیسے بجلی لہراتی تھی، ہنستی تھی تو پھول جھڑتے تھے، ڈنکی۔ راز کی بات بتاؤں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنا منہ بالے کے کان کے پاس لے آیا۔ "یار، میں اس پے عاشق ہوگیا تھا۔ ایں سچ مچ کا... آں... اور اب تو جی چاہتا ہے کہ خوش خطی... ارے نہیں تو بہ، خودکشی کرلوں۔ ہائے ڈنکی، تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ اب وہ کہاں ملے گی مجھے۔ مائی ڈارلنگ ڈورتھی۔"

"ارے، اس کا نام کیلی تھا۔" بالے نے بے تکلفانہ انداز میں کہا۔

"شش..." اس نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "اس کا آرڈر ہے کہ کوئی اس کا اصلی نام نہیں لے۔"

"ابے خچر، باس یہاں کہاں رکھا ہے۔"

"ڈونکی، اس کے کان بہت بڑے ہیں، خرگوش سے بھی بڑے ہیں۔ اسے سب خبر رہتی ہے۔"

"اچھا تم یہاں بیٹھ کر دل کا بوجھ ہلکا کرو، میں ذرا دیکھوں کیا ہو رہا ہے فرنانڈیز کا۔" بالے نے کار سے اتر کر اسے اپنی جگہ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ، مگر جھانکنا وانکنا نہیں، نہیں تو باس بہت غصے میں ہے، تمہاری بھی آجائے

گی۔"

"سمجھتا ہوں سب۔"

"جاؤ بیٹا، تم بھی کیا یاد کرو گے کہ چھٹی دی تھی تمہیں۔" وہ یہ کہتے ہوئے اس کی جگہ بیٹھ کر پیچھے کی طرف ٹک گیا۔

بالے نے جیب ٹٹول کر اپنے ریوالور کو دیکھا اور پھر تیزی سے چلتا ہوا اس کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ وہ جب شکستہ برآمدے کے نزدیک پہنچا تو اسے اندر سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے برآمدے میں کھلنے والی ایک کمرے کی بند کھڑکی کے پاس رک کر جائزہ لیا، آواز اندر سے آ رہی تھی، لیکن کھڑکی کے شیشے یکطرفہ جھلک والے تھے، یعنی باہر سے مٹیالے اور صرف اندر سے ان میں باہر کا منظر دکھائی دے سکتا تھا۔ مگر ایک پٹ کی باریک دراز سے اسے اندر کا منظر نظر آ گیا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کمرہ اندر سے سجا ہوا ہے، لیکن اندر فرش پر اسے کیمیکلز کی ایک اچھی خاصی کمپنی کا مالک اور شہر میں معزز حیثیت رکھنے والا فرنانڈیز نظر آیا۔ ایک قد آور سیاہ فام سا آدمی اس پر ہنٹر برسا رہا تھا اور وہ درد سے کراہ رہا تھا۔

"بس کرو۔" کچھ دیر بعد ایک آواز کمرے میں سنائی دی اور ہنٹر برسانے والے کا ہاتھ رک گیا۔

"اگر یہ وارننگ تمہارے لیے کافی نہیں ہوئی تو میں سڑک پر کتوں سے تمہاری لاش گھسٹواؤں گا۔" وہی آواز پھر سنائی دی اور فرنانڈیز لڑکھڑاتا ہوا فرش سے اٹھنے لگا۔

"تم... تم بے ایمان ہو... تم کمینے ہو... تم نے میرا لاکھوں کا سرمایہ اپنے تجربے میں برباد کرا دیا اور آج... آج تم میرے ہی ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔" فرنانڈیز کے منہ سے غصیلی آواز نکلی۔

"یہ سلوک تمہارے ساتھ تمہاری غداری کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔"

"میں نے غداری نہیں کی تھی، صرف تمہارے ایماء پر کسی کا خون کرنے سے انکار کیا

تھا۔"

"اوہ، تو اس چڑیا کے دل کے ساتھ تم دوسروں پر حکومت کے خواب دیکھ رہے ہو، فرانڈیز؟ اس دنیا کو فتح کرنے کے لیے فولاد کا جگر چاہیے، فولاد کا۔"

"کچھ بھی ہو، میں کشت وخون پسند نہیں کرتا۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے، میرا کام تو اب مکمل ہوا ہے اور اب تم جو کچھ دیکھو گے، شاید اس کی وحشت سے خود ہی مر جاؤ۔" یہ کہہ کر اس نظر نہ آنے والے آدمی نے، جو شاید دیوار کی آڑ میں تھا، اس لیے بالے کو نظر نہ آتا تھا، ایک لمبا سا قہقہہ لگایا۔ "فرانڈیز۔" وہ کچھ دیر بعد قہقہے کو روک کر بولا۔ "آنے والے کل کے بعد میرے غلام بھی دوسروں کے آقا ہوں گے، اور تم، تم اگر میرے حکم سے انحراف کی جرأت نہ کرتے تو تم نہ جانے کیا بن جاتے۔"

"مگر دوسروں کی جانوں سے کھیلے بغیر بھی تو تم اپنا مقصد حاصل کر سکتے تھے۔" فرانڈیز نے اپنے بازوؤں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"اس دنیا میں دوسروں کو کچل کر ہی ان پر حکومت کی جا سکتی ہے۔ ابھی کیا ہے، ابھی تم دیکھو گے کہ لوگ صرف میرا نام سن کر ہی خوف سے کانپنے لگا کریں گے۔ تم کل ہی میری طاقت کا وہ مظاہرہ دیکھ لو گے اور میں یہ دیکھنے کے لیے تمہیں زندہ بھی رکھوں گا، بشرطیکہ تمہاری زبان بند رہی۔" اس آدمی نے بھاری آواز میں کہا۔

جواب میں فرانڈیز کچھ نہ بولا۔

"انھیں واپس لے جاؤ۔" اس نے شاید ان دو آدمیوں کو حکم دیا جو اسے لے کر آئے تھے۔ وہ کیونکہ کھڑکی کے سامنے نہیں پڑتے تھے، اس لیے نظر نہیں آتے تھے۔

"اتنا یاد رکھو کہ تم کہیں بھی رہ کر مجھ سے دور نہیں ہو۔ میں جہاں چاہوں تمہیں ختم کر سکتا ہوں۔" اس نے چلتے چلتے فرانڈیز کو وارننگ دی، لیکن اس وقت بالے کا ذہن سوچ رہا تھا، اگر واقعی یہ شخص اتنے ہی خوفناک ارادوں اور طاقت کا مالک ہے تو کیوں نہ اس وقت

اچانک اس سے نپٹ لیا جائے۔ پھر اس نے حالات کا بھی جائزہ لیا۔ نہ جانے اندر کتنے آدمی ہوں۔ حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ وہ سب مسلح ہوں گے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ کرے لیکن اسے اس کی مہلت نہ ملی، کیونکہ جو کچھ ہوا وہ غیر متوقع تھا۔ وہ نامعلوم باس جو اس کے سامنے نہیں تھا، بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”تمہیں یوں چوروں کی طرح ہماری گفتگو سننے کی ضرورت نہیں، تم شوق سے سامنے آسکتے ہو۔“

اس کا مخاطب یقیناً بالے سے ہی تھا، پھر بھی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”نہیں، میں تم سے ہی کہہ رہا ہوں۔ آج میں دوہرے موڈ میں ہوں۔ میں خوش بھی ہوں اور ناراض بھی۔ ورنہ تم اس کار کی اسٹپنی سے بھی نہ نکل پاتے، لیکن گھر آئے ہوئے مہمان کے ساتھ بدسلوکی میں نہیں کرنا چاہتا۔ مقابلے بات ہم بعد میں بھی نبٹ لیں گے۔“

اب تو آواز سے قطعی طور پر واضح ہوگیا تھا کہ مخاطب اسی سے ہے، لیکن وہ اسے کہاں سے دیکھ رہا تھا، یہ بات اس کی سمجھ میں ہی نہ آسکی، ہاں یہ ضرور اس نے سمجھ لیا کہ وہ جہاں بھی ہو، مگر اندر کمرے میں نہیں ہے۔ اس کے باوجود کہ اس کی آواز اسے اندر سے ہی سنائی دی ہے۔ پھر بھی اسے آزمانے کے لیے بالے نے ریوالور جیب سے نکال لیا، مگر دوسرے لمحے ہی ایک فائر ہوا اور پستول اس کے ہاتھ سے دور جا گرا۔ جو کوئی بھی تھا، اس کا نشانہ اچھا تھا کہ بالے کے ہاتھ پر خراش تک نہ آئی۔ گولی اس کے ریوالور کی نال پر پڑی۔

”اب اندر آجاؤ، ڈرنے کی ضرورت نہیں۔“ وہ آواز پھر سنائی دی۔

بالے نے جھک کر ریوالور اٹھایا، لیکن کسی نے مداخلت نہیں کی۔ پھر اس نے ریوالور جیب ڈال لیا اور آگے بڑھ کر دروازے کی طرف سے اندر داخل ہوگیا۔ مگر وہاں اسے سوائے ان دو آدمیوں کے جو فرنانڈیز کو لائے تھے اور فرنانڈیز اور اس شخص کے سوائے جو فرنانڈیز پر کوڑے برسا رہا تھا، اور کوئی نظر نہ آیا۔

سے اپنی آواز دوسروں تک اس طرح پہنچائی جائے کہ خود کے دیکھ لیے جانے کا کوئی

خطرہ نہ لاحق ہو۔

"اگر تم اتنے ہی پراسرار ہو جس قدر تمہارا یہ مائک سسٹم، تو مجھے تم سے مرعوب ہوتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ویسے میں تمہارے نشانے کا قائل ہوں۔" بالے نے اس نامعلوم باس کو مخاطب کیا۔

"خیر، ابھی نہ سہی تو بہت جلد تم اور بھی بہت سے باتوں کے قائل ہو جاؤ گے۔" وہ آواز جواب میں سنائی دی۔ "اور احمر، سنا نہیں تم نے، مہمان کی خاطر ہونی چاہیے۔" اس نے فرنانڈیز کو کوڑے مارنے والے آدمی کو مخاطب کیا۔

"آپ کیا پئیں گے؟" سیاہ فام آدمی نے بالے کے سامنے ادب سے جھک کر کہا۔

بالے اس کے اس تخاطب پر حیران رہ گیا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ کچھ اسی قسم کی خاطر ہوگی جیسی فرنانڈیز کی ہو چکی ہے۔

"شکریہ۔" وہ مسکرایا۔ "میں ایسی میزبانی کا قائل نہیں ہوں جو پردے کی آڑ سے کی جائے۔" اس نے طنز کیا۔

"اوہ، مجھے دیکھنا چاہتے ہو؟ تمہاری یہ حسرت بھی پوری ہو جائے گی، مگر آج نہیں۔ شاید کل تم ہی کیا، سب مجھے دیکھ لیں گے، لیکن شاید اس وقت تمہاری مجال بھی نہ ہوگی کہ تم مجھ سے نظر ملا سکو۔" اس آواز نے کہا۔

"اب تم اپنی پردہ نشینی کے لیے جو بھی منطق پیش کرو، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم ڈر رہے ہو۔"

"اونہہ، مجھے ان بچکانہ حماقتوں سے غصہ نہیں آئے گا۔ اچھا، ڈمل اور شنکر، تم فرنانڈیز کو لے جاؤ اور احمر، دیکھو، سارجنٹ بالے آج ہمارے مہمان ہوں گے، ان کی خاطر و مدارات میں کسر نہ ہو۔" یہ کہہ کر وہ آواز تو خاموش ہو گئی، لیکن ان دو آدمیوں نے فرنانڈیز کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ بالے دیکھ رہا تھا کہ فرنانڈیز بار بار اسے امداد طلب نظروں سے دیکھ رہا ہے،

لیکن اس نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ وہ اس معاملے میں دخل دیے بغیر اس نامعلوم اور پراسرار باس کا مہمان بن جائے۔ شاید اس طرح وہ اس طاقت یا ان ذرائع کا پتا چلا سکے جن کے زعم میں وہ ایسے خطرناک دعوے کر رہا ہے۔ ان تینوں کے چلے جانے کے بعد احمر اس سے مخاطب ہوا اور ایک دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

"تشریف لے چلیے۔"

بالے نے ایک بار اس کمرے کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور اس کے پیچھے دروازے سے باہر نکل گیا۔ یہاں اس کی نظر ایک کھلی کھڑکی پر پڑی اور اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ باہر چاروں طرف اس کے استقبال کے لیے رائفلوں اور پستولوں کی نالیں جھانک رہی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

سامنے موت

سپرنٹنڈنٹ خان اس وقت برآمدے میں ہی کرنل کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا اور ایک تندرست، مگر ادھیڑعمر آدمی، جو زرد رنگ کا سرج کا سوٹ پہنے ہوئے تھا، بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے گلے کی ٹائی ڈھیلی تھی اور سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بہت خوفزدہ اور پریشان نظر آرہا تھا اور بار بار پیچھے پلٹ پلٹ کر دیکھتا جاتا تھا۔ جب وہ برآمدے کے نزدیک پہنچا تو سیڑھیوں سے ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ برآمدے کے داسے پر گر پڑا۔ اس کا نچلا ہونٹ اس کے دانتوں سے کٹ گیا اور خون نکل پڑا۔ خان اور کرنل دونوں ہی اس کی طرف دوڑ پڑے۔ خان نے اسے بازوؤں سے سنبھال کر اٹھایا۔

”م... میں... سپرنٹنڈنٹ خان سے ملنا چاہتا ہوں۔“ وہ پھولی ہوئی سانس سے بولا۔

”ہاں، ہاں، آیئے، ادھر آیئے۔“ خان نے اسے دلاسا دیا۔

”نہیں، یہاں نہیں۔ مجھے کسی محفوظ مقام پر لے چلیے، یہاں نہیں۔“ وہ پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”اچھا ادھر آیئے۔“ خان نے ایک کمرے کی طرف اس کی رہنمائی کی۔ کرنل وہیں بیٹھا رہا۔ شاید اس نے دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔

وہ دونوں اس کمرے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔

”آپ غالباً مسٹر فرنانڈیز ہیں۔“ خان نے پوچھا۔ اور اس سوال پر وہ چونک پڑا۔

”جی... م... مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“

”مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور یہیں آئیں گے۔“

"تو... اس کار سے اترتے ہوئے میری جیب میں کیا آپ نے وہ پرچہ چھوڑا تھا۔"

فرنانڈیز نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل ایسا بھی تو نہیں، لیکن یونہی سمجھ لیجیے۔"

"اس چٹ پر لکھا تھا، اگر جان بچانی ہو تو ۲۱۷ ہل روڈ پر سپرنٹنڈنٹ خان سے ملو، مگر مجھے اپنی جان کی اتنی فکر نہیں جتنی ہزاروں دوسری جانوں کی ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھ کر اپنی پھولی ہوئی سانس پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"یعنی کیا مطلب؟"

"براہِ کرم پہلے یہ کھڑکیاں بھی بند کر دیجیے، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کھڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

خان مسکرایا۔ پھر اس نے اٹھ کر اس کی تسکین کے لیے کھڑکیاں بھی بند کر دیں۔

"میں... میں پہلے بڑا اچھا اور پرامن شہری تھا۔" فرنانڈیز نے بتایا۔ "لل... لیکن اس کمینے نے مجھے ایک ایسے تجربے کی لالچ دلائی جس کی کامیابی کے بعد ہم محکمۂ دفاع کے ہاتھوں اسے لاکھوں بلکہ کروڑوں کی قیمت پر فروخت کر سکتے تھے۔" وہ بتانے لگا۔

"غالباً آپ کا مطلب اس زہریلی گیس کے تجربے سے ہے جو انسان کو کیڑے مکوڑوں کی طرح ختم کر دیتی ہے۔" خان بیچ میں بول پڑا۔

"جج... جی ہاں... کچھ ایسی ہی... مگر آپ کو کیا معلوم؟"

"مجھے بہت کم معلوم ہے اور دراصل یہ فارمولا ڈاکٹر سر جے رامیش محکمۂ دفاع کے لیے کر رہے تھے تاکہ جنگ کے زمانے کے لیے ایک ایسی مہلک گیس ایجاد ہو سکے۔"

"تو... تو آپ بہت کچھ جانتے ہیں؟" وہ بات کاٹ کر کہنے لگا۔

"ہُم... اور کیونکہ ڈاکٹر سر رامیش کی اچانک اور مشتبہ موت کے وقت کاغذات میں وہ فارمولا اور ان کی سکریٹری کیلی دونوں غائب پائے گئے تھے، اس لیے تب ہی سے مجھے شبہ تھا

کہ کہیں وہ غلط ہاتھوں میں نہ پڑ جائے۔" خان کہنے لگا۔

"جی ہاں، یہی نام تھا اس لڑکی کا۔ وہ.. وہ اس سور کی داشتہ تھی۔ اسے سر رامیش کے پاس اس نے سکریٹری بنوایا تھا، محض اسی کام کے لیے اور کیونکہ سر رامیش سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔" فرنانڈیز بتانے لگا۔

"خیر، آگے چلیے۔"

"چنانچہ اس فارمولے پر وہی گیس تیار کر کے محکمۂ دفاع کے ہاتھوں اسے ایک کروڑ روپے کے معاوضے میں فروخت کرنے کی لالچ دلا کر اس کمبخت نے اس کی تیاری میں میرا دو تین لاکھ روپیہ خرچ کرا دیا اور جب وہ تیار ہو گئی تو.. تو وہ خود اس کا مالک بن بیٹھا اور اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اس کا مقصد ہی کچھ اور تھا۔ وہ اس کے ذریعے ہلاکت پھیلا کر اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے۔"

"یہ سب کچھ تو آپ کہہ گئے، لیکن اصل بات تو آپ نے ابھی تک بتائی ہی نہیں کہ وہ آدمی ہے کون جس کا ذکر آپ کر رہے ہیں۔" خان نے نرمی سے اس سے سوال کیا۔

"وہ... وہ... ارے..." کہتے کہتے وہ بری طرح چونک گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"نہیں نہیں، خدا کے لیے نہیں، ارے، کوئی بچاؤ۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بے تحاشا بھاگا، لیکن جو کچھ ہونا تھا، وہ بہت جلد ہوا۔ انھیں باہر صرف ایک 'پٹ' کی سی آواز سنائی دی تھی اور اس کے ساتھ ہی اپنے سے کچھ فاصلے پر اچانک خلاء میں کوئی شے پھوٹتی فرنانڈیز نے دیکھی تھی۔ کوئی نظر نہ آنے والی چیز۔ بس ایک بہت چھوٹا سا سیاہ نقطہ جیسا نظر آیا اور پھر ایک دم بے آواز پھوٹ کر دھوئیں کا ایک غبارہ سا بننے لگا جو بڑی تیزی سے پھیلتا بڑھتا ہوا ایک دم فرنانڈیز کے قریب پہنچ گیا۔ خان فوراً فرش پر لڑھک گیا اور زمین سے چپک رہا۔

"لیٹ جاؤ، زمین پر لیٹ جاؤ۔" خان نے فرنانڈیز کو پکارا، لیکن فرنانڈیز بے تحاشا بھاگتا ہوا دیوار سے ٹکرا گیا اور جیسے ہی پلٹا، اس کے حلق سے ایک بھیانک سی چیخ نکلی۔ دھوئیں کا وہ غبارہ اس کے سر اور منہ اور سینے کے حصے سے ٹکرایا اور دھواں ایک دم پھیل کر منتشر ہونے لگا۔ اس نے فرنانڈیز کو لڑکھڑاتے دیکھا اور پھر وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دھوئیں کے غبارے کے اس کے منہ پر آ کر پھٹ جانے کے بعد بھی وہ دونوں کچھ دیر تک زمین سے ہی چپکے لیٹے رہے، اس کے بعد دھیرے دھیرے کمرے کی فضا کسی دھوئیں کے اثر پاک ہوتی گئی۔ فرنانڈیز کی لاش اکڑی ہوئی سی پڑی تھی اور جلد کا رنگ نیلگوں ہو چکا تھا۔ خان اٹھتے ہی سیدھا دروازے کی طرف دوڑا، وہ باہر سے بند تھا، لیکن اس کے ایک ہی دھکے سے اس کے پٹ کھل گئے۔ وہ تیزی سے برآمدے کی طرف بھاگا، لیکن برآمدے میں اسے غزل نظر آئی، وہ حیران حیران سی کھڑی تھی۔ اتنے میں کرنل بھی ہاتھ میں اپنی بندوق لیے آ پہنچا اور "کیا ہے، کیا ہے"، پوچھنے لگا۔

"انکل، ابھی ابھی کوئی آدمی کمپاؤنڈ سے باہر بھاگتا ہوا گیا ہے۔" غزل نے خان کو اشارے سے بتایا۔

"ہاں بیٹا، تم اندر جاؤ۔" یہ کہتا ہوا خان بھی پھاٹک کی طرف بھاگا، لیکن وہاں سڑک سونی پڑی تھی۔ البتہ فٹ پاتھ کے قریب کسی کار کے ٹائر کے خفیف سے نشانات نظر آئے۔ ان ٹائروں سے بہت ہلکی سی سرخ رنگ کی دھول جھڑی تھی۔ گاڑی شاید یہاں بہت ہی قوت سے بریک لگا کر موڑی گئی ہوگی، اس لیے اس پختہ سڑک پر بھی ٹائروں جھڑنے والی دھول سے ٹائروں کے نشان پڑ گئے تھے۔ خان نے بڑے احتیاط سے پہلے جیب سے پاکٹ سائز انلارجمنٹ کیمرہ نکال کر ٹائروں کے نشانات کا فوٹو لیا اور پھر انگلی سے سمیٹ کر تھوڑی سی دھول ایک کاغذ پر اٹھائی اور پھر تیزی سے پلٹ کر کرنل کے گیرج کی طرف چل دیا۔ گیرج میں کرنل کی کار کے علاوہ شوکت کی کار بھی موجود تھی جو یہیں منگوالی گئی تھی، لیکن کرنل خود بھی باہر آ چکا تھا۔

اس نے جلدی سے چابی خان کی طرف پھینک دی۔ خان چابی لے کر گیرج کی طرف چلنے لگا۔ غزل حیرت سے ان کی حرکتوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ اچانک خان ایک جگہ زمین پر جھک گیا۔ یہ برآمدے کے نیچے کی زمین تھی جہاں سے بغیچے کی روش تک کسی کے قدمون کے نشانات بنے ہوئے تھے۔ وہ جھک کر ان نشانوں کو دیکھنے لگا، پھر اس نے کرنل سے ایک کٹ منگوایا جو اس کے کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کٹ میں زمین سے نشانات اٹھانے کا پلاسٹر پاؤڈر موجود تھا۔ اس کی مدد سے ان نشانات میں سے ایک کا پرنٹ لینے میں دیر نہیں لگی۔

"وہی لنگڑا۔" خان بڑبڑایا۔

"یہاں ابھی کچھ دیر پہلے وہی پراسرار لنگڑا موجود تھا، جس کی ہمیں تلاش ہے۔" خان نے بتایا۔

"تو یعنی اسی نے حملہ کیا تھا؟"

"اس کے ہاتھ میں یقیناً ایک چھڑی بھی ہوگی۔"

"یعنی... یہ کیسے جان سکتے ہیں آپ؟"

"قدموں کے نشانات میں ایک قدم پورا اور جما ہوا پڑا ہے اور دوسرا پنجہ گہرا اور ایڑی یا تو نظر ہی نہیں آتی، یا برائے نام ہے۔ یہ تو اس کے لنگڑے پن کا ثبوت رہا اور ان قدموں کے ساتھ ادھورے نشانات والے قدم کے پاس یہ جو چھوٹا سا گول گڑھا نظر آ رہا ہے، یہ اس کی چھڑی کا نشان ہے۔" خان نے بتایا۔

"مگر اس سے بھی کیا فرق پڑتا ہے؟"

"اس سے بہت کچھ فرق پڑ سکتا ہے، کرنل صاحب۔ اگر میرا اندازہ کہیں صحیح نکلا تو یہ ایک بڑا سنسنی خیز انکشاف ہوگا۔" خان نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ کہا۔ کرنل نے کوئی رائے زنی نہیں کی۔

"کرنل، یہاں کے تمام علاقے تو تمہارے چھانے بنے ہوں گے؟"

"بھئی، علاقے کیسے چھانے اور نیٹے جاتے ہیں، مجھے معلوم نہیں، ہاں ان تمام سے واقف ضرور ہوں۔" کرنل نے سادگی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا، لیکن اسے پھر اندر پڑی ہوئی فرنانڈیز کی لاش کا خیال آگیا اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔

"کہیں غزل ڈرائنگ میں نہ چلی جائے، اس لاش کو دیکھ کر اس کا دم ہی نکل جائے گا۔" خان نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں نے دروازہ بند کرایا ہے۔" کرنل نے بتایا۔

"اچھا بتاؤ، یہ مٹی یہاں کے کس علاقے کی ہے؟" خان نے وہ دھول نکال کر اسے دکھائی۔ کرنل اسے غور سے دیکھنے لگا، پھر کچھ دیر بعد ذہن پر زور دے کر بولا۔

"ایسی دھول صرف دو جگہوں میں ہو سکتی ہے، ایک نہر کے علاقے میں اور ایک ڈیلواڑی کیمپ کے علاقے میں۔ مجھے ڈیلواڑی کے بارے میں اچھی طرح یاد نہیں ہے، کیونکہ دس بارہ سال پہلے جب وہاں ملٹری کیمپ قائم تھا، تب میں وہاں گیا تھا۔"

"اور اب کیا ہے وہاں؟" خان نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس کیمپ کے کھنڈر نظر آئیں گے۔ ویسے سنا ہے کہ گورنمنٹ اس علاقے کو پھر سے بسانے کا کوئی پروگرام بنا رہی ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔" خان نے سر ہلایا۔

"کیا ٹھیک ہے؟" کرنل نے پوچھا۔

"میں جا رہا ہوں، لیکن تم سٹی سپرنٹنڈنٹ کو فون کر کے اس واقع کی پوری تفصیل سے مطلع کر دو۔ پولیس آ کر فرنانڈیز کی لاس اٹھوا لے گی۔ ہاں، اس عقلمند آدمی کو جب تک میں نہ بولوں گھر سے نکلنے نہ دینا۔"

"بھئی، ایک بات کہوں؟"

"کیا؟"

”یہ کچھ پاگل تو نہیں ہیں حضرت، جب سے یہاں آئے ہیں، غزل کو دیکھ دیکھ کر منہ پیٹنے لگتے ہیں اور اللہ توبہ، الٰہی توبہ کی رٹ لگا لیتے ہیں۔“

”یہ میں بعد میں سمجھاؤں گا، ویسے آدمی قطعی بے ضرر اور معصوم ہے۔“ خان نے چلتے ہوئے کہا۔

پھر وہ کرنل کی کار نکالی اور اپنی جیبوں میں لوڈڈ ریوالور رکھ کر روانہ ہو گیا، مگر جاتے جاتے وہ بالے کے لیے بھی ہدایت دیتا گیا تھا کہ وہ اگر آ جائے تو خان کی واپسی تک اسے کہیں نہ جانے دیا جائے۔ وہ اکیلا ہی اس خطرناک ترین مہم پر جا رہا تھا جس کے بارے میں یہ اندازہ کرنا بھی مشکل تھا کہ نتائج کیا ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆

تہلکہ

دوسری صبح شہر کے لیے ایک تہلکہ خیز صبح تھی۔ جابجا دیواروں پر لگے ہوئے ایک پوسٹر نے سارے شہر میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ جگہ جگہ لوگ ہجوم در ہجوم ان پوسٹروں کو گھیرے ہوئے تھے۔ ان پوسٹروں میں اگرچہ مضمون مختصر ہی تھا، لیکن بڑا غیر معمولی اور ہنگامہ خیز۔ کسی پراسرار ماسٹر ڈومینیٹر نے تمام پبلک اور سرکاری حلقوں کو وارننگ دی تھی کہ شہری زندگی میں کیونکہ بدعنوانیاں اور بے ایمانیاں بڑھ گئی ہیں اور عام لوگ مصیبت میں ہیں، اس لیے ان کی نجات کے لیے وہ آنے والے کل سے اس شہر کا سارا انتظام اپنے ہی ہاتھوں میں لے رہا ہے۔ قدرت نے اس کے ہاتھ میں وہ طاقت دی ہے جو ساری دنیا سے ظالموں کے وجود کو مٹا سکتی ہے۔ اس لیے جو کائی بھی اس کے احکامات کے آڑے آئے گا، اس کا نام ایک پل میں صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔

اس ماسٹر ڈومینیٹر نے پولیس اور سرکاری مشینری کو بھی تنبیہہ دی تھی کہ اگر آج سورج ڈھلے تک اس کی غیر مشروط اطاعات کا اعلان نہ کر دیا گیا تو وہ اس شہر پر ایسی تباہی بھیجے گا کہ جس کے تصور سے لوگ کانپ اٹھیں گے۔

بعض لوگ ان پوسٹروں کا مذاق اڑانے لگے اور خصوصاً سرکاری اور پولیس حلقوں نے تو انھیں کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ وہ اسے کسی شرپسند گروہ کی عام لوگوں میں سنسنی پھیلانے والی شرارت سے ہی تعبیر کرتے رہے۔ مگر عوام میں ہمیشہ دو قسم کے طبقے ہوا کرتے ہیں، جو ہر بات اور ہر معاملے کے دو، مثبت اور منفی پہلوؤں کی طرف داری کرتے ہیں۔ اس لیے ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو خود بھی اس واقعے سے دہشت زدہ ہو رہا تھا اور دوسروں میں بھی دہشت پھیلا رہا تھا۔

اس عرصے میں سویرے سے سٹی سپرنٹنڈنٹ کئی بار کرنل بخت بہادر کے مکان پر خان کو فون کر چکا تھا، مگر نہ خان کا پتا تھا اور نہ بالے کا۔ بیچارہ شوکت اللہ چار دیواری کی قید بھگت رہا تھا اور اب اس نے غزل کو اپنی توبہ کا انعام سمجھ کر اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی، یہی وجہ تھی کہ اسے یہ قید دشوار نہیں گزر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

سپرنٹنڈنٹ کو ڈیلواڑی کیمپ کے علاقے میں بھٹکتے بھٹکتے شام ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے وہ نہر کے علاقے کا بھی راؤنڈ لگا چکا تھا۔ اسے دراصل جس چیز کی تلاش تھی وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آئی اور اس نے خفیہ طریقے پر ڈیلواڑی کا علاقہ ہی کھنگالنا شروع کیا۔

اس عرصے میں وہ کئی بار جیبی ٹرانسمیٹر پر بالے کو کال کر چکا تھا اور اس کی تشویش اس لیے اور بڑھتی جا رہی تھی کہ بالے کا کوئی پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ تمام ذرائع، حتیٰ کہ فرنانڈیز کے ختم ہو جانے کے بعد صرف وہ لنگڑا ہی ایک ایسی شخصیت رہ گئی تھی جس سے سراغ کے امکانات ہاتھ آتے، مگر اس عالم میں بھی اس کا ذہن پرسکون ہی تھا اور بڑے اطمینان سے وہ اپنا کام جاری رکھے ہوئے تھا۔

تقریبا رات کے تین بجے جب ڈیلواڑی کے راستے کی ایکسائز چوکی پر کار کی خرابی کا بہانہ کر کے کسی کار یا لاری کا انتظار میں کھڑا ہوا تھا اور چوکی کا ناکیدار اونگھتے اونگھتے سو چکا تھا، اس کے پاکٹ ٹرانسمیٹر پر اچانک ایک پیغام وصول ہونے لگا۔ اس کی راڈ اونچی کر کے اس نے اسے کان کے قریب کر لیا۔

''ایس بی کالنگ ایس کے... ایس بی کالنگ ایس کے۔''

''کم ان ایس بی... ایس کے ہیئر... اوور۔'' خان نے جواب دیا۔

''میں خود کو ان لوگوں کے حوالے کر کے صرف اس وقت تک کے لیے زندہ رکھا گیا

ہوں کہ ان کے نامعلوم باس کی پراسرار طاقت کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں... اوور۔"

"وہ مظاہرہ کیا ہوگا، اوور؟" خان نے پوچھا۔

"شہریوں کو آج وارننگ دی جارہی ہے کہ وہ اس کی اطاعت قبول کرلیں ورنہ سارے شہر پر ایک خطرناک تباہی نازل کی جائے گی، اوور۔"

"اور یہ تباہی وہی گیس ہوگی جس کے سانس یا کسی ذریعے سے جسم میں داخل ہوتے ہی آدمی مرجاتا ہے۔"

"یس سر، لیکن ایک پلان اور بھی ہے۔ میں نے نشے کی حالت میں ان کے ایک آدمی سے سنا ہے کہ جس وقت شہر پر یہ مصیبت نازل ہوگی، ٹھیک اسی وقت کلکٹر اور کمشنر کو بھی ختم کردیا جائے گا تاکہ حالات اچانک ہنگامی نوعیت اختیار کرلیں اور یہ جو کچھ ہورہا ہے محض ایک تجربہ ہے جسے کامیابی کے بعد ملک گیر پیمانے پر آزمایا جائے گا، اوور۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"اگر یہی معلوم ہوتا تو جھنڈے نہ گاڑ دیتا، البتہ اتنا یاد ہے کہ میں فرنانڈیز کا تعاقب کرتا ہوا ایسی جگہ پہنچا تھا جہاں فوجی عمارتوں کے کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں۔"

"ہاں یہ علاقہ ڈیلواڑی کا علاقہ ہے۔ کیا اب بھی تم وہیں ہو، اوور؟"

"جی نہیں، اس کے مجھے ایک بند گاڑی میں یہاں لایا گیا ہے۔ یہ جگہ اتنی ویران نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ فضا میں آبادی جیسا مدھم شور ہے، البتہ اتنی سخت نگرانی میں ہوں کہ باہر قدم رکھوں اور موت۔"

"اندازاً کتنے وقت کے فاصلے پر ہو؟"

"اندازاً شمال میں نصف گھنٹے کے فاصلے پر کم وبیش تیس میل فی گھنٹے کی رفتار سے، اوور۔"

"پچھلی لوکیشن کیا تھی؟ اوور۔" خان نے پوچھا۔

"کھنڈر ذرا اونچائی پر ہے اور کسی پتھر کے بنے ہوئے بنگلے کا ہے، جس کے برآمدے کی لکڑیاں ٹوٹی ہوئی ہیں اور کھنڈر کا ایک حصہ جو شرق میں ہے منہدم ہے۔ باہر جنگلی گھاس اگی ہوئی ہے۔ اوور۔"

"کس ذریعے سے یہ گیس تیار کی جارہی ہے، یہ معلوم کر سکتے ہو؟"

"ملک الموت سر پر سوار ہے، صرف یہ معلوم کر سکتا ہوں۔ اوور۔"

"صبر کرو، میں تمہارا بال بیکا نہیں ہونے دونگا۔"

"میری فکر نہ کیجیے، میں اگر وقت اتنا نازک دیکھوں گا تو ان کو لوہے کے چنے چبوا کر ہی ختم ہو سکوں گا، لیکن کوئی بھی صورت اس کاروائی کو روکنے کی کیجیے جس سے عام تباہی پھیل سکتی ہے۔"

"صرف ایک ترکیب میرے ذہن میں ہے جس کا ذکر ایک بار ڈاکٹر سر رامیش نے مجھ سے باتوں باتوں میں ہی کیا تھا، جب ان کی پریس کانفرنس میں میں سیکیورٹی آفیسر کی ڈیوٹی دے رہا تھا، اور اگر کامیابی ہماری قسمت ہے تو ان کے ارادے ڈھیر ہو جائیں گے۔"

"میں بند کر رہا ہوں، کوئی آرہا ہے۔ اوور۔"

اس کے بعد بالے کی آواز نہیں سنائی دی۔ خان نے اپنا سیٹ فولڈ کر کے جیب میں ڈال لیا۔ پھر اس نے کار اسٹارٹ کی اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا، مگر اس کا رخ شہر کے وسطی حصے کی طرف نہیں تھا۔ اس نے اپنی کار شہر کے کنارے پر ہی ایک تاریک سی بستی کی سڑک پر موڑ دی۔ یہاں وہ غریب قسم کے لوگ رہتے تھے جنہیں خدائی زمین پر کچے پکے جھونپڑوں میں سر چھپانے کو جگہ ملی تھی۔ اس بستی کے درمیان سے گزرتے ہوئے اس نے کار ایک کچے مگر بڑے سے مکان کے دروازے پر روک دی۔ یہ کافی لمبا چوڑا مکان تھا، جس کی دیواریں اینٹوں کی تھیں اور اس میں چند چھوٹے دروازوں کے علاوہ ایک بڑا دروازہ بھی تھا، جو بند تھا۔ اندر روشنی ہو رہی تھی اور باہر بورڈ پر لکھا تھا، "آکسیجن کمپنی"۔ خان نے جب کار روک کر دروازے پر دستک

دی تو دروازے میں ہی ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی۔ اور ایک باوردی پولیس کانسٹیبل نے باہر جھانک کر دیکھا۔

”کوڈ؟“ اس نے پوچھا۔

”جی او۔“ خان نے جواب دیا اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا اور وہ کار اندھیرے میں کھڑی کر کے اندر داخل ہو گیا۔

اندر تقریباً تین درجن آدمی کشیدگی اور ٹینک بھرنے کے ایک پلانٹ پر کام کر رہے تھے۔ خان ان کے درمیان سے گزرتا دوسری طرف نکل گیا۔ اندر سے یہ فیکٹری یا عمارت خاصی اچھی بنی ہوئی تھی۔ اس کے اندر ہی چند دفاتر بھی بنے ہوئے تھے جن کے باہر سیڑھیوں پر ایک خوش پوش کھلی رنگت آدمی اسے کھڑا نظر آیا۔ وہ خان کو دیکھتے ہی چونک کر آگے بڑھا۔

”آپ؟ اس وقت؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”جی ہاں، حالات ہی کچھ ایسے ہیں۔ خیر، وہ میری گنز (Guns) بن گئیں؟“

”ابھی تک صرف تین تیار ہو سکی ہیں۔ دراصل آپ کے فارمولے کے مطابق ایمونک سلفیٹ کمپاؤنڈ گیس بنانا کچھ آسان نہیں ثابت ہوا۔ بہر حال اب کیونکہ ہم اس کا پلانٹ مکمل کر چکے ہیں، اس لیے باقی بھی جلد ہی تیار ہو جائیں گی۔“

”ان کی فکر نہ کیجیے، میں شاید تین سے ہی کام چلا لوں گا، لیکن یہاں تو ایک بڑا ٹیڑھا مسئلہ آ کھڑا ہوا ہے، آپ کے تعاون کے بغیر حل نہیں ہو سکتا۔“ خان نے کہا۔

”فرمایئے؟“

”ابھی صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ اگر آپ یہ کام نہ کریں گے تو سارے شہر کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔“ خان نے آہستہ سے کہا۔

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“

جس کے جواب میں خان اسے ایک طرف لے گیا اور دیر تک سمجھاتا رہا۔

"مگر اتنی بڑی مقدار میں؟" منیجر نے سب کچھ سن کر کہا۔ "اور ہمارے پاس ایمونیڈ کا اتنا اسٹاک بھی تو نہیں ہے۔"

"وہ بھی فراہم کرا دوں گا، لیکن دن چڑھے۔ ویسے تب تک تو جس قدر بھی ہو سکیں، ٹینک بھرواتے جائیں۔" خان نے کہا۔

"اس سے زیادہ نیک کام اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔" منیجر نے کہا۔

"تو پھر اس وقت سے کام شروع کروا دیجیے۔"

"فارمولا یہی رہے گا؟"

"بالکل یہی۔"

"یہ گورنمنٹ جاب ہوگا؟"

"قطعی۔ ویسے یہ سارے شہری زندگی کا سوال ہے۔"

"آپ غلط سمجھے، میں معاوضے کے نقطۂ نظر سے نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ اتنے وسیع پیمانے پر اس گیس کی تیاری کے متعلق میں نے کسی سرکاری اعتراض کا خدشہ دور کرنے کے لیے پوچھا تھا۔"

"آپ اطمینان رکھیے، بلکہ گورنمنٹ تو آپ کے اس کارنامے کو بڑی قدر کی نظروں سے دیکھے گی۔"

"بہتر، آپ جائیں، میں کام شروع کراتا ہوں۔" اس نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے آفس میں گیا اور اس نے سلنڈر سے مشابہ تین ایسی گنیں لا کر خان کے حوالے کر دیں، جن کی ساخت اگرچہ بندوق سے مختلف نہ تھی، لیکن کندے کی جگہ وہاں ایک گول ٹنکی سی لگی تھی اور اس کی نال زیادہ چوڑی اور پلاسٹک کی تھی۔ ٹرائیگر کے ساتھ ایک اسپرنگ دار چرخی لگی ہوئی تھی۔ خان نے ان میں سے ایک کو ہاتھ میں لے کر بندوق کی طرح سیدھ میں لیا اور ٹرائیگر تھوڑا سا دبا دیا۔ فوراً اس کی چرخی باریک سی آواز کے ساتھ بڑی تیزی سے گھومنے لگی اور دو سیکنڈ

بعد ہی اس کی پلاسٹک کی نال سے سفید سفید دھوئیں کی ایک تیز دھار نکلی اور دور تک پھیلتی چلی گئی۔ خان نے ٹرائیگر پر سے انگلی ہٹالی اور چرخی بھی تھم گئی۔ دھواں نکلنا بند ہوگیا۔

بہت خوب۔ اور خوبصورت بھی بنائی ہے۔" اس نے تعریف کی۔

پھر وہ اس سے اجازت لے کر باہر آیا۔ اس نے وہ تینوں گنز سنبھال کر اگلی نشست پر ہی اپنے پاس رکھ لیں اور کار اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

دشمن در بغل

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا، لوگ اس پوسٹر کے مضمون کو مذاق سمجھتے جا رہے تھے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں خوف سماتا چلا جا رہا تھا، نہ جانے اب کیا ہوگا۔

دوپہر سے کچھ قبل اچانک سٹی سپرنٹنڈنٹ کو خان کا فون ملا۔ اسے کلکٹر کے بنگلے پر فوراً بلایا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ تو خود ہی صبح سے خان کی تلاش میں تھا۔ وہ فون ملتے ہی کار لے کر بھاگا۔ کلکٹر کے بنگلے پر کافی سرگرمی نظر آ رہی تھی۔ باہر دروازے پر خفیہ پولیس کے سادہ لباس سپاہی ڈیوٹی دے رہے تھے اور اندر مضافات سپرنٹنڈنٹ اور کچھ دوسرے عہدیدار بھی موجود تھے۔ سٹی سپرنٹنڈنٹ کو کلکٹر کے کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں سپرنٹنڈنٹ خان بھی موجود تھا۔ اس کے بعد کمرے کے دروازے بند کر دیے گئے۔ اندر جو کچھ مشاورت ہو رہی تھی، اس کی نوعیت رازدارانہ تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ سب باہر نکلے۔

”میں ابھی جا کر شہر کے ہر گلی کوچے میں انتظام کیے دیتا ہوں۔“ ایس پی کہنے لگا۔ ”اور آپ اپنے تمام بریگیڈوں کے عملے کو دیپ گر بھیج دیجیے۔ آکسیجن کمپنی کے سامنے وہ جمع ہو جائیں، میں وہیں ملوں گا اور انھیں طریقِ کار سے آگاہ کر دیا جائے گا۔“ خان نے آگ بجھانے والے محکمے کے افسرِ اعلیٰ سے کہا۔

”میں ابھی ایمرجنسی کال بھیجتا ہوں۔“ اس نے وعدہ کیا اور وہ بھی سٹی سپرنٹنڈنٹ کے پیچھے باہر چلا گیا۔ کلکٹر خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ٹہلنے لگا۔ دو پولیس انسپکٹر سامنے اٹینشن کھڑے تھے۔

”اگر آپ بروقت یہ انتظامات نہ کرتے تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔“ کلکٹر کہہ رہا تھا۔

”بس جو کچھ فیصلہ ہونا ہے، آج ہی ہو جائے گا۔“ خان نے جواب دیا۔

"مجھے اپنی اتنی پرواہ نہیں، مگر شہر کی زندگی خطرے میں نہ پڑنی چاہیے۔" کلکٹر نے کہا۔

"خدا چاہے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" خان نے پرامید لہجے میں جواب دیا۔

"اتنے میں ایک مضافاتی سپرنٹنڈنٹ اندر آ پہنچا۔ اس نے کلکٹر کو سیلوٹ کیا۔

"سر شہر کا کونہ کونہ چھان مارا گیا ہے، کہیں کوئی مشتبہ لوگ نظر نہیں آئے۔" اس نے رپورٹ دی۔

"اتنے خطرناک لوگ اتنی آسانی سے دریافت نہیں کیے جا سکتے انسپکٹر۔" کلکٹر نے چبھتے ہوئے الفاظ میں کہا۔

"سر شہر میں ان پوسٹروں سے پھر ہیجان پھیل رہا ہے۔"

"آپ پولیس کی وائرلیس کاروں پر لاؤڈ اسپیکروں سے شہر میں اعلان کرا دیجیے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، لوگ سکون سے اپنے گھروں میں بیٹھیں، ہم نے انتظامات کر لیے ہیں۔"

"بہتر ہے۔" انسپکٹر نے یہ کہہ کر ایڑیاں بجائیں اور سیلوٹ کر کے چلا گیا۔

"یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا حملہ کہاں سے شروع ہوگا۔" کلکٹر بولا۔

"شہر کے کسی نہ کسی علاقے کو یہ خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔" خان نے کہا۔

اس کے بعد خان نے ایک گیس گن وہاں موجود سب انسپکٹروں میں سے ایک کو دیتے ہوئے کہا۔ "میں اس کے چلانے کا طریقہ کار سمجھا چکا ہوں، آپ اسے لے کر کمشنر کے بنگلے پر چلے جایئے اور ان کی حفاظت کیجیے۔ یہاں میں خود دیکھ لوں گا۔"

"بہتر ہے جناب۔" انسپکٹر نے ادب سے کہا اور گن لے کر وہ بھی باہر چلا گیا۔

"اور آپ دیکھیے، کوئی بھی آدمی جو غیر سرکاری ہو، اندر نہ آنے پائے۔" خان نے دوسرے کو ہدایت کی۔

"اوکے سر۔" وہ انسپکٹر بھی سلام کر کے کھسک گیا۔

"آپ کے سارجنٹ کا کچھ پتا چلا؟"

"وہ ہے تو ان ہی بدمعاشوں کے چنگل میں، لیکن فی الحال اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" خان نے بتایا۔

"ان خوفناک قسم کے جرائم کا آج فیصلہ ہو ہی جانا چاہیے۔" کلکٹر نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

"بس چند گھنٹے اور ہیں۔" خان بولا۔

"اچھا ان لوگوں کا کوئی سراغ نہیں ملا؟"

"ان کی تنظیم بڑی مضبوط ہے، لیکن کچھ امکانات میری نظر میں ہیں۔ میں اس کا سراغ بھی نکال لیتا، مگر پہلے میں نے یہی ضروری سمجھا کہ حفاظتی اقدامات کر لیے جائیں۔" خان بولا۔

"آپ اگر واقعی نہ آگئے ہوتے تو یہاں کی پولیس تو ایسے مجرموں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتی۔" کلکٹر نے پھر اس کی تعریف کی۔

"دراصل ان لوگوں نے خود طاقت کے زعم میں آکر خود کو اجاگر کیا ہے، ورنہ خفیہ طور پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھ کر وہ زیادہ نقصان پہنچا سکتے تھے۔" خان نے بتایا۔

"کاش، وقت سے پہلے ہی ان حرامزادوں کو سر کچل دیا جاتا۔"

"اگر یہ میرا اپنا شہر ہوتا اور میں یہاں کے تمام حالات، یہاں کے ماحول اور جرائم کے اڈوں سے واقف ہوتا تو یہ بھی ممکن تھا، مگر یہاں کی پولیس تو سیدھی سادی انتظامی پولیس ہے، وہ اور پریشان ہو کر رہ گئی ہے۔"

بات یہیں تک رک گئی، کیونکہ خان کو کوئی کام یاد آگیا تھا۔ اس نے کلکٹر سے رخصت لی اور باہر آگیا۔ باہر آکر اس نے پھر آکسیجن کمپنی کو فون کیا اور وہاں سے اطلاع ملی کہ اب تک

۱۲ گیس ٹینک تیار ہو چکے ہیں۔ کلکٹر کی مدد سے سرکاری ذخیرہ گاہ سے ایمونیا کا کافی اسٹاک وہ پہلے ہی کارخانے بھجوا چکا تھا۔ اسے اب صرف بالے کی فکر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنی کار پھر ڈیلواڑی کیمپ کی طرف موڑ دی۔ اب دن کے وقت اسے وہ پتھر کا بنگلہ تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں پیش آئی۔ وہاں اسے صرف ایک آدمی دکھائی دیا، جس کا بیان تھا کہ وہ یہاں چوکیداری کرتا ہے اور یہ بنگلہ مدت سے ویران پڑا ہے۔ جس کا جب جی چاہتا ہے، یہاں آکر ٹھہر جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ چند دنوں سے کچھ شکاری قسم کے لوگ اس پر قابض تھے، لیکن کل شام کو ہی وہ یہاں سے چلے گئے۔ مگر وہ یہ نہ بتا سکا کہ کس طرف اور کہاں گئے، کیونکہ اس وقت وہ موجود نہ تھا۔ پھر خان نے جب اس بنگلے کی اندر سے تلاشی لی تو انھیں سوائے سگریٹوں کے جلے جلے ٹکڑوں کے اور کچھ نہ ملا۔ وہ پھر بھی ہمت نہ ہارا اور اس کا ایک ایک کونہ دیکھتا رہا۔ ایک جگہ اچانک اس کی نگاہیں ایک باریک سے تار پر جم گئیں، اس نے اس کا سرا ٹٹولا تو وہ اسے ایک طاق کے اندر لگائے گئے ایک چھوٹے لاؤڈ اسپیکر میں نصب نظر آیا۔ شاید جلدی میں وہ لوگ اسے نکالنا بھول گئے تھے۔ پھر اسی تار کا دوسرا سرا ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہوئے وہ اسی بنگلے کے سامنے کے حصے میں دوہری اونچائی پر بنے ہوئے ایک عبادت گاہ کے حصے تک پہنچ گیا، یہاں بھی اسے کوئی نہ ملا۔

البتہ تار یہاں کٹا ہوا پڑا تھا جس کا مطلب تھا کہ ایمپلی فائر وہ نکال لے گئے ہیں۔

وہ اس عبادت گاہ کے کمرے کا بغور معائنہ کرنے لگا۔ آخر اس کی کوشش رنگ لائی۔ اسے آتش دان کے قریب ہی ایک میٹل کا ٹکڑا پڑا ہوا مل گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا ایمبلم تھا جو میٹل پر ڈھالا گیا تھا۔ اس نے اسے رومال میں لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور پھر فرش پر قدموں کے نشانات محدب شیشے سے دیکھنے لگا۔ اسے کمرے میں دو قسم کے نشانات نظر آئے۔ ایک بالکل ویسے ہی جیسے کرنل کے احاطے میں لنگڑے آدمی کے قدموں کے ملے تھے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے اور ذرا سا گول سے قدموں کے۔ اس نے اور زیادہ محنت غیر ضروری سمجھ کر صرف پاؤڈر کی مدد

سے فٹ پرنٹ لیے اور اور باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

اب اس کی کار شمال میں تیس میل کی رفتار سے دوڑ رہی تھی ۔ اس کی نگاہیں گھڑی کی سوئیوں پر تھیں اور وہ گرد و پیش سے بھی غافل نہ تھا۔ یہ راستہ بالکل سونا اور کچا تھا۔ شاید اتفاق سے ہی استعمال ہوتا ہوگا، لیکن یہی سڑک گھومتی ہوئی جس جگہ نکلی وہ نیشنل پارک کے مقابل نالے کے اس پار کا مقام تھا جہاں ایک بار شروع میں بالے ٹیکسی ڈرائیور کے میک اپ میں جا چکا تھا۔ بالے اس کا ذکر خان سے کر چکا تھا۔ خان نے یہاں فاصلے پر کار روک کر ایک گنجان جھاڑی کی آڑ میں کھڑی کر دی اور خود ریوالور ہاتھ میں نکال کر جھاڑیوں میں گھری ہوئی اس عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے ابھی جھاڑیوں سے گزر کر کمپاؤنڈ میں قدم رکھا ہی تھا کہ اچانک ایک فائر ہوا اور وہ اگر تیزی سے گھاس پر نہ لیٹ جاتا تو گولی یقیناً اس کا سینہ چھید ڈالتی۔ پھر اس نے لیٹے لیٹے میں سامنے کھلی کھڑکی کی طرف فائر کر دیا۔ اسے ایک سایہ کھڑکی کے پاس سے ہٹتا نظر آیا اور پستول کی گولی سے اندر کوئی شیشے کی چیز چھنچھنا کر ٹوٹ گئی۔ خان نے اپنی جگہ جست لی اور دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ پھر وہ پنجوں کے بل چلتا ہوا اس کے برآمدے میں داخل ہوا، یہاں کوئی نہ تھا۔ البتہ ایک کمرے کا دروازہ ذرا سا بھڑا ہوا تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر اندر جھانکا اندر اسے ایک آدمی کھڑکی کے نزدیک دیوار سے چپکا نظر آیا۔ خان اچانک اندر داخل ہو گیا۔

”بس، ہاتھ اٹھا دو اپنے۔“ اس نے پستول کی نالی کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ اس آدمی کو کوئی مہلت نہ مل سکی اور اس نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے۔

لیکن خان جیسے ہی آگے بڑھا، اچانک دروازہ اور کھڑکیوں کے پٹ سب بند ہو گئے۔ خان نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا ہی رہا تھا کہ اس آدمی نے اچانک اپنی جگہ

سے جست کی اور خان کے اوپر آ رہا۔ قد آور اور مضبوط ہونے کے زعم میں اسے خیال تھا کہ وہ پہلے ہی حملے میں خان کا کچومر نکال دے گا، لیکن جب خان نے اسے اس زور سے اچھالا کہ وہ دیوار سے جا ٹکرایا تو اس کی کھوپڑی میں تارے ناچ گئے۔

"ٹھہرو، ٹھہرو، کیا تم اس ڈنکی کے ساتھی ہو؟" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کون ڈنکی؟" خان نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"جو کل فرنانڈیز کا پیچھا کرتا ہوا آیا تھا۔"

"ہاں، کیوں؟"

"اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ رات ڈھلے اس نے کسی کو ٹرانسمیٹر پر کچھ خبریں دی تھیں، تب سے باس نے اس کی مہمان کی حیثیت ختم کر دی۔"

"تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"میں اسٹاک کی حفاظت کر رہا تھا۔"

"کیسا اسٹاک؟"

"اندر گودام میں بوروں میں نہ جانے کون سے کالے کالے زم پتھر بھرے ہیں، وہ لوگ اس کو اسٹاک کہتے ہیں۔" اس آدمی نے بتایا

"تم تو گولی کیوں چلائی تھی؟"

"ظاہر ہے میں اچھا آدمی نہیں ہوں، پھر اور کیا کرتا۔"

"اچھے آدمی نہیں ہو تو اچھے بننے کی کوشش کرتے۔"

"اس سے کیا حاصل، پولیس تو مجھان کے ساتھ پھانسی ہی چڑھاتی۔"

"پولیس ایسے مددگاروں کو اہمیت دیا کرتی ہے۔"

"خیر چھوڑو، میں چاہتا تو دوسری گولی سے تمہیں ہلاک کر سکتا تھا، جب تم کمرے میں آ رہے تھے۔ یہ رائفل آٹومیٹک ہے۔ مگر میں نے یہی کوشش کی تھی کہ یہاں سے بھاگ

جاؤ۔“

”ایسی ہمدردی ہوئی؟“ خان مسکرایا۔

”تمہارا ساتھی اچھا آدمی ہے، مجھے اس سے سچ مچ ہمدردی ہوگئی تھی۔“

”اگر تم ہمارا ساتھ دینا چاہو تو ابھی اچھے آدمی بن سکتے ہوں۔ قانون ایسے آدمیوں کے ساتھ رعایت کرتا ہے۔“

”مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

”وہ یہاں سے کہاں گئے ہیں؟“

”یہی معلوم ہوتا تو میں پہلے ہی بتا دیتا۔ باس اپنے سارے ارادے راز میں رکھتا ہے اور ہمیں کبھی یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ نیا ہیڈ کوارٹر کہاں ہوگا، تا وقتیکہ وہ خود ہمیں طلب کرے۔“

”کیا تم نے اپنے باس کو کبھی دیکھا ہے؟“

”کبھی نہیں۔ ہمیں لنگڑا آرڈر دیتا ہے۔“

”یہ لنگڑا کون ہے؟“

”بڑا خوفناک آدمی ہے، بڑا بے رحم۔“

”آدمی ہندوستانی ہے یا انگریز؟“

”صاف ہندوستانی تو نہیں بولتا، مگر ہے تو...“

”کیا اس لنگڑے کے ساتھ تم نے کبھی گوری لڑکیاں بھی دیکھی ہیں؟“

”شروع شروع میں دو لڑکیاں اس کے ساتھ آتی تھیں، پھر ایک کہیں چلی گئی۔ ایک جس کا نام ڈورتی تھا وہ اس کے ساتھ ہی رہا کرتی تھی۔“

”لنگڑے کے کندھے کافی چوڑے ہیں نا؟“

”ہاں، مگر کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟“

"بات ہمیشہ... کرتا ہے؟"

"ہاں، مگر..." وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تو تم نہیں جانتے یہ لوگ کہاں گئے ہوں گے؟"

"صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ شہر کی طرف ہی گئے ہیں۔ کار کا رخ ادھر ہی تھا، اس سے زیادہ معلوم نہیں۔" اس نے کہا۔

"اور اگر تمہیں انھیں کوئی رپورٹ دینی ہو تو ان سے تعلق قائم کرلو گے؟"

"کسی نہ کسی طرح آرڈرز ہم تک پہنچ جاتے ہیں۔"

"خیر، تم میرے ساتھ آؤ۔"

"کیا سلوک کرو گے میرے ساتھ؟"

"بھروسہ رکھو مجھ پر، تم اگر اچھے آدمی بنا چاہتے ہو تو میں تمہیں اس کا موقع دوں گا۔"

اس گفتگو کے بعد وہ خان کے ساتھ ہو لیا اور وہاں سے باہر نکل آئے۔

شہر میں داخل ہوتے ہی خان نے پہلے ایک پیٹرول پمپ سے سٹی سپرنٹنڈنٹ کو فون کیا کہ پولیس کو بھیج کر پارک ایونیو کے سامنے والی عمارت کو گھیر لیا جائے۔ اس کے بعد اس نے پاکٹ ٹرانسمیٹر پر بالے کو کال کیا، مگر سلسلہ اب بھی نہ مل سکا۔ اسے اس کے بیان کے بعد بالے کے لیے پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ اس نے اس آدمی کو ایک پولیس اسٹیشن پر موجود آفیسر کی نگرانی میں یہ کہہ کر دے دیا کہ اس کے ساتھ مجرموں سا سلوم نہ کیا جائے۔ پھر وہ اکیلا ہی چل پڑا۔ اب وہ فیصلہ کن قدم اٹھانے جا رہا تھا، لیکن اس سے پہلے اس کی کار اپنی قیام گاہ پر جا کر رکی۔

کرنل اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا۔ غزل لان میں کچھ کام کر رہی تھی اور شوکت آج پھر الٹا لٹکا ہوا تھا۔

"اب کیا بات ہوگئی؟" خان نے اسے پوچھا۔

"مم... مجھے اس لڑکی سے... اب کیا بتاؤں آپ کو آپ بڑے ہیں۔"

"نہیں بتادو۔"

"یعنی؟"

☆☆☆☆☆☆

ہر نمونے کی قیمتی اور خوبصورت چھڑیاں تھیں، البتہ ایک جگہ کچھ خالی سی نظر آ رہی تھی۔ خان نے الماری کو اسی طرح بند کر دی اور ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد کرنل آ پہنچا۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ خان کو دیکھتے ہی وہ اس کے پاس آ گیا۔

"آج آپ جلدی لوٹ آئے؟"

"بھئی، میں تو یہاں سے بھاگنے کی سوچ رہا ہوں۔ عجیب قسم کے واقعات ہو رہے ہیں۔ بالے اگر واپس آ جاتا تو میں یہاں نہ ٹھہرتا۔"

"کیا اتنی جلدی نروس ہو گئے؟"

"نہیں، مگر اصل میں یہ ہمارا معاملہ بھی تو نہیں۔ بالے کی وجہ سے زبردستی ٹانگ گھسیڑنی پڑی تھی، ورنہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ جتنی ذمے داری ہو، اتنا ہی کام کرنا چاہیے۔"

"آپ تو سچ مچ ہتھیار ڈالے دے رہے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں نے کوئی ایسی گیس ایجاد کر رکھی ہے جو سارے شہر کو ختم کر سکتی ہے، پھر یہ کونسی عقلمندی ہے کہ بغیر مقابلے کی طاقت کے مقابلہ کیا جائے۔ کرنل، میں تو تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گا کہ بچی کے ساتھ سردست یہاں سے کہیں چلے جاؤ۔"

"نہیں بھئی، میں تو فوجی آدمی ہوں، میں تو ڈٹ کر رہوں گا۔"

"تم جانو، بالے آجائے تو میں تو شام ہونے سے پہلے ہی یہاں سے جا رہا ہوں۔"

"ارے، مگر آپ کو ہوا کیا ہے؟" کرنل حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"میں اپنے بال بچوں سے دور ایسی کسمپرسی کی موت مرنا نہیں چاہتا۔" خان نے کہا۔

"تو کیا ان بدمعاشوں کے مقابلے کا کوئی ذریعہ نہیں؟ میرا مطلب ہے کوئی جوابی علاج۔"

"ہم پولیس والے ہیں، سائنسداں نہیں۔"

"یعنی یہ فیصلہ ہے؟"

"قطعی، لیکن جب تک ہم لوگ یہاں سے نکل نہ جائیں، تم کسی سے ذکر نہ کرو گے۔"

"میں کیوں کرنے لگا ذکر۔" یہ کہہ کر کرنل اٹھ کر چلا گیا اور خان غور سے دیکھتا رہا۔

بمشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ اسے باہر سے کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ اٹھ کر باہر نکل آیا۔ باہر کرنل اپنا پیر پکڑے بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا کرنل؟"

"کچھ نہیں، جوتے میں کوئی کیل گھس گئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ لنگڑاتا ہوا برآمدے کی سیڑھیوں کے قریب آیا اور جوتے اتارنے لگا۔

"کوئی ضروری ہے کہ یہی جوتا پہنو، دوسرا پہن لو۔" خان نے ہنس کر کہا۔

"ہاں ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔" یہ کہتا ہوا وہ جوتا ہاتھ میں لیے اندر چلا گیا اور خان ان نشانات پر جھک گیا جو کرنل کے لنگڑا کر چلنے سے پڑے تھے۔ اس نے جلدی سے پاکٹ کیمرے سے ان کی تصویریں لی اور فوراً جوتے سے ان نشانات کو مٹا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ روانگی کے انتظامات سے قبل بالے کو تلاش کرنے جانے کے لیے کرنل سے اجازت طلب کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

خوفناک تباہی

"ہومین سالویشن لیگ" لیگ کی پتھریلی بلند عمارت شہر کے مشرقی علاقے میں سر اٹھائے کھڑی تھی۔ یہ ایک ثقافتی سوسائٹی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا دفتر گو مختصر سا تھا، مگر عمارت بڑی تھی۔ یہاں بعض اونچے طبقے کے خوش فکرے ہی ہفتوں یا مہینوں میں جمع ہو کر نجات انسانی کے مسئلوں پر تفریحی نقطۂ نظر سے غور کیا کرتے تھے۔ اور پھر شہرت یا پروپیگنڈے کے لیے اخبارات میں دو چار بیانات شائع ہو جاتے۔ یہ علاقہ سونا تھا اور اسی طرح اکثر یہ عمارت بھی سونی نظر آیا کرتی تھی، مگر اس کے دروازے پر ایک مسلح دربان ہمیشہ موجود رہتا۔ سیاہ رنگ کی لمبی کار کو دیکھتے ہی اس نے وہ پھاٹک کھول دیا اور کار اندر داخل ہو گئی۔ کار میں بیٹھے ہوئے آدمی نے اس کے سلام کا جواب تک نہ دیا۔

پورٹیکو میں کار روک کر وہ اترا اور اپنی چھڑی ٹیکتا لنگڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔ اس کے جانے کے کوئی پانچ منٹ بعد ہی ایک شاندار تگڑا سا آدمی بھی اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی کار باہر ہی کھڑی کر دی اور خود پیدل پھاٹک میں داخل ہونے لگا۔

"ابھی اندر کوئی نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کوٹ کا کالر الٹ کر دکھایا، جس پر لیگ کا ایمبلم لگا ہوا تھا۔ دربان فوراً پیچھے ہٹ گیا اور وہ اندر داخل ہو گیا، لیکن دربان اسے پہچان نہیں سکا تھا۔ کچھ سوچتا ہوا وہ اپنی چوکی میں گھس گیا اور ٹیلی فون کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

اجنبی کے ہاتھ میں بھی ایک چھڑی تھی جس کا سرا گھوما ہوا تھا اور سرے پر ایک اژدہے کا سر بنا تھا۔

پورٹیکو سے گزر کر جب وہ اندر داخل ہوا تو اسے سامنے کاریڈور میں ایک آدمی آتا

ہوا نظر آیا جو رک کر اس کی شکل دیکھنے لگا، جواب میں نووارد نے اپنے کوٹ کا کالر الٹ کر دکھایا۔

“دائیں بازو سے اوپر، تیسرے کمرے میں۔” اس آدمی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

کاریڈور میں دائیں بازو گھوم کر واقعی ایک زینہ تھا، جو اوپر جاتا تھا، جس پر چڑھتا ہوا جب وہ اوپری منزل پر پہنچا تو اسے ایک کمرے سے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے دیوار کی آڑ میں ہو کر اس کمرے کے دروازے کے نزدیک پہنچ گیا۔

اندر صرف دو آدمی تھے اور ان میں سے ایک آواز کچھ پہچانی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

“اسے چھوڑ دینا ہی اچھا ہے۔ جب وہ لوگ خود ہی ڈر کر بھاگ رہے ہیں۔” یہ لنگڑا کہہ رہا تھا۔

“میں نہیں مانتا، وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ ہندوستان کی پولیس میں اس سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں ہے۔”

“لیکن حرج بھی کیا ہے، ہماری طاقت کے سامنے ان کی مقابلے کی تو مجال نہیں، ہم پھر بھی انھیں ٹھکانے لگا سکتے ہیں اور یوں بھی وہ میری مٹھی میں ہیں۔”

“خیر، بلاؤ اسے۔”

اس آواز کے بعد سناٹا چھا گیا۔ مگر تقریباً پانچ منٹ کے بعد ہی پھر اس کمرے میں آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دو آوازیں زیادہ معلوم ہوتی تھیں۔ ایک کہہ رہا تھا۔

“وہ ابھی اندر آیا ہے۔”

“لیکن کون ہے؟ اگر ممبر تھا تو گیا کہاں؟”

“دربان کہتا ہے کہ شکل سے وہ اجنبی معلوم ہوتا ہے۔”

“اوہ تو ضرور کوئی دھوکا ہوا ہے۔” پہلی آواز نے کہا۔

"اسے واپس لے جا کر بند کر دو۔" پہلی آواز گونجی۔

"تم کچھ بھی کرلو، مگر تمہاری موت اب آ پہنچی ہے۔" خان کو بالے کی آواز سنائی دی۔

"اوہ، سوائن۔" کسی کا طمانچہ شاید بالے کے گال پر پڑا۔

"ابھی ہماری طاقت سے واقف نہیں ہو۔" کسی نے دانت پیس کر کہا، مگر اس کے ساتھ ہی کمرے میں اٹھا پٹک کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شاید بالے لڑ پڑا تھا۔

اچانک ایک بھرپور ٹھوکر سے دروازہ کھل گیا اور وہ سب کے سب اجنبی کو دیکھ کر چونک پڑے۔

"خبردار جو کسی نے حرکت کی۔" اجنبی گرجا۔ بالے نے خان کی آواز پہچان لی۔

"دیکھا، کہتا تھا نہ میں۔" بالے نے لنگڑے پر طنز کیا۔

"یہ بھی یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتا۔" لنگڑے کا دوسرا ساتھی غضبناک ہو کر بولا۔

مگر جیسے ہی لنگڑے نے اپنی چھڑی اٹھا کر اس کے سر کے پاس لگا ایک چھوٹا سا بٹن دبایا، بالے چیخ اٹھا۔

"بچے۔"

اس چھڑی کے کاڑھے والے منہ سے دھوئیں کی ایک باریک سی لکیر نکل کر فضا میں پھوٹی اور اس سے سیاہ دھوئیں کا ایک غبارہ تیار ہو گیا جو اتنی تیزی سے خان کی طرف بڑھنے لگا، مگر خان وہیں کھڑا رہا۔ اس نے جواب میں اپنی چھڑی اٹھائی اور اس کے سر کے حصے کا ایک بٹن دبا دیا۔ سفیدی ایک پتلی سی لکیری اس میں سے نکلی اور اور پھیل کر سفید سفید دھوئیں میں تبدیل ہو گئی۔ پھر وہ دھواں اس سیاہ غبارے سے ٹکرایا اور سیاہ دھواں اتنی تیزی سے ہوا میں تحلیل ہو گیا کہ حیرت سے ان کے منہ کھل گئے۔

"وہ مارا۔"

لیکن اسی وقت لنگڑے نے ایک جست کی اور کھڑکی سے نکل گیا۔ لنگڑے کا ساتھی بھی اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا کہ خان نے اس کی گردن تھام لی۔ بالے لنگڑے کے پیچھے دوڑ پڑا۔

"جانے دو بالے اسے۔ تمہارے پاس گن نہیں ہے۔" خان نے اسے آواز دے کر روک لیا۔ اتنے میں دوسرے دو آدمی اس پر حملہ آور ہو گئے۔ مگر وہ کیا ان کا مقابلہ کرتے، خان اور بالے کے گھونسوں نے انھیں وہیں ڈھیر کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆

ابھی سورج غروب ہی ہو رہا تھا کہ سارے شہر میں ایک سنسنی خیز واقعے سے تہلکہ مچ گیا۔

مشرق کی سمت سے آسمان پر دھوئیں کے غبارے پرواز کر رہے تھے، جنہیں دیکھ کر لوگ بے تحاشا بھاگنے لگے تھے۔ شاید پہلے سے ہی انھیں اس کا احساس ہو گیا تھا کہ جس تباہی کے نازل ہونے کی دھمکی دی گئی ہے وہ یہی ہے۔

لیکن اس سے پہلے ہی شہر کے ہر علاقے میں ایسے سرخ رنگ کے ٹینک پہنچ چکے تھے جو جیپ گاڑیوں سے منسلک تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہوز پائپ لگا ہوا تھا اور پاور جنریٹر۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں کال پر کال آنے لگے اور تمام شہر کی پولیس کو وائرلیس پر وارننگ دی جانے لگی، مگر جب تک کہ پولیس مشرق کے علاقے میں آگے بڑھے، دھوئیں کے یہ غبارے قریب ہوتے ہوتے آبادی میں داخل ہوئے اور پھر وہ عمارتوں سے ٹکرا کر پھٹے، ان کا دھواں پھیلتا گیا۔ لوگوں نے جب اس ہلاکت خیز زہریلے دھوئیں کی زد میں آنے والے لوگوں کو گر گر کر مرتے ہوئے دیکھا تو وہ بھاگ اٹھے۔ عورتیں مرد بوڑھے بچے جان بچا کر اندھوں کی

طرح سڑک پر بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ کچھ کچل رہے تھے کچھ گر رہے تھے۔ ایک قیامت سی تھی۔

مکانوں کی کھڑکیاں اور دروازے دھڑا دھڑ بند ہونے لگے، لیکن وہ دھواں جہاں گھس جاتا، جیتے جاگتے انسان موت کی آغوش میں سو جاتے۔

ایک خاندان کے چار افراد شام کی چائے پی رہے تھے اور کمرے کا دروازہ بند ہی تھا، مگر اس کے نیچے کی دراز سے جب یہ سیاہ دھواں بہتے ہوئے سیال کی مانند اندر گھسا تو وہ گھبرا کر بھاگنے لگے اور اس وقت ان کی بوکھلاہٹ ہی ان کی موت کا سبب بن گئی۔ دھواں اور زیادہ مقدار میں اندر گھستا چلا گیا اور وہ دروازے تک نہ کھول سکے۔

باہر سڑک پر پولیس کی وائرلیس گاڑیاں چیخ چیخ کر لوگوں کو مکانوں کے دروازے اور کھڑکیا وغیرہ بند کرنے اور ٹوٹے ہوئے شیشوں پر پردے وغیرہ لگانے کی ہدایتیں دے رہی تھیں، مگر جس وقت ٹینک وہاں لائے گئے، پولیس آفیسرز سڑکوں پر پڑی ہوئی لاشوں کو دیکھ کر لرز اٹھے۔ اگر وہ ذرا جلدی پہنچ جاتے تو... اور پھر انھیں وہ کاریں اور گاڑیاں بھی نظر آئیں جن کے چلانے والے اس دھوئیں کی موت مر کر حادثوں کا سبب بنے تھے۔ یہ منظر ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

فائر آفیسرز نے فوراً ہی بیک وقت تین ٹینکوں کے موٹر اسٹارٹ کرا دیے اور پائپ باہر نکال لیے گئے۔ ایک گونج کے ساتھ ان پائپوں کے دہانوں سے سفید تیز بدبودار ٹھنڈے دھوئیں کی موٹی سی لہر نکلی اور جس طرح آگ بجھانے کے لیے پانی پھینکا جاتا ہے، اس طرح دور تک جا کر منتشر ہونے لگی۔ اس سفید دھوئیں کے سیاہ دھوئیں سے ٹکراتے ہی سیاہ دھواں ہوا میں تحلیل ہونے لگا اور لوگوں کو کھانسی آنی شروع ہو گئی۔ یہ دھواں بہت ٹھنڈا تھا۔

ذرا سی دیر میں ہی شہر کے دوسرے حصوں سے بھی وائرلیس پر سیاہ دھوئیں کے غباروں کی تباہ کاری کی رپورٹیں ملنے لگیں، مگر ان کے ساتھ ہی یہ اطلاعات بھی تھیں کہ فائر

ٹینک بڑی کامیابی سے ان غباروں کو ختم کر رہے ہیں۔

ایک قیامت جیسا عالم تھا سارے شہر میں۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک ہیلی کاپٹر فضا میں پرواز کرتا ہوا انڈین کیمیکلز فیکٹری کے علاقے کے نزدیک پہنچ رہا تھا۔ یہ دھوئیں کے غبارے اسی فیکٹری کے عقبی حصے کے ایک ٹاور سے بلند ہو رہے تھے، بس یکے بعد دیگرے۔ سگریٹ کے دھوئیں کے منہ سے جاری ہونے والے دھوئیں کے مرغولوں کی طرح اس ٹاور کے ایک گول دہانے سے یہ غبارے نکلتے اور فضا میں تیرتے ہوئے غباروں کی شکل اختیار کرتے ہوئے مشرقی ہوا کے ساتھ شہر کی طرف پرواز کرنے لگتے۔ فضا جیسے سیاہ دھبوں سے بھرپور ہو گئی تھی۔

ہیلی کاپٹر اس وقت صرف سپرنٹنڈنٹ خان اور بالے ہی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں گنز تھیں۔ انھیں فیکٹری کے سامنے والے حصے میں پولیس کانسٹیبلوں کی لاشیں پڑی نظر آ رہی تھیں۔ یہ وہی پولیس مین تھے جنھیں فرنانڈیز کی موت پر سرکاری طور پر اس فیکٹری کی حفاظت و نگرانی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔

ہیلی کاپٹر نیچا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس ٹاور کے بالکل نزدیک پہنچ گیا اور خان اور بالے نے گنز سے سفید دھوئیں کی دھار ان غباروں پر برسانی شروع کر دی اور وہ تحلیل ہونے لگے۔ پھر خان نے ہیلی کاپٹر بالے کے حوالے کیا اور خود سیڑھیاں لگا کر ٹاور کی چھت پر کود گیا۔ اسے اندر کسی مشین کی گونج سنائی دی۔ اس کی چھت سے پھسلتا ہوا جب وہ ٹاور کے چھجے پر کودا تو اچانک ایک فائر ہوا اور اگر وہ اچھل کر دور نہ ہٹ جاتا تو گولی اس کے سر پر ہی لگتی۔ اس نے ایک کھمبے کی آڑ لے لی اور دوسرے ہاتھ سے پستول نکال کر جوابی فائر کرنے لگا۔ اندر شاید صرف دو آدمی تھے، کیونکہ فائر باری باری ہو رہے تھے اور وہ ٹاور کی محراب کے دونوں سمت چھپے تھے۔ سامنے درمیان میں ایک بڑا سا چیمبر اور اس کے ساتھ منسلک بہت سے پائپ نظر آ رہے تھے۔ چیمبر سے گیس کے اخراج کا... مخالف سمت میں تھا۔

اسی وقت خان کو کچھ اور سوجھ گئی اور اس نے اپنی گیس گن سے محراب میں سفید دھوئیں کی دھار چھوڑنی شروع کردی اور سفید دھواں اندر پھیلتا چلا گیا اور چند سیکنڈ بعد ہی اسے اندر سے کھانسنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو بڑھتی چلی گئیں۔ خان نے اپنی جگہ سے جست کی اور تیزی سے اندر داخل ہوگیا۔ اس کے گھونسے ان کے جبڑوں پر پڑے اور کچھ اس غضب اور شدت کے ساتھ پڑے کہ وہ دونوں ڈھیر ہوگئے۔ انھوں نے دوبارہ فرش سے اٹھنے کی کوشش کی ہی تھی کہ خان نے ایک ایک گیس فائر ان کے منہ پر ہی کردیا وور چند سیکنڈ میں ہی وہ دونوں بیہوش ہوگئے۔ خان نے اس وقت ایک جھٹکے سے دیوار میں لگے ہوئے سوئچ کو آف کردیا۔ اور گیس پلانٹ فوراً بند ہوگیا۔ ہزاروں افراد کی موت پر ایک انسان کی دلیری نے فتح پالی۔

☆☆☆☆☆☆

موت کے تقسیم کار

دو گھنٹے کے بعد وہ پولیس ہیڈ کوارٹرز میں کمشنر اور کلکٹر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ان کے سامنے ہی ہتھکڑیاں پہنے ایک قطار میں چار آدمی موجود تھے۔ ایک وہ پر اسرار طاقت کا مالک نامعلوم باس، دوسرا ایک اس کا ساتھی جو ان کے لیے انجانا ہی تھا اور جسے بیہوش کر کے ٹاور سے اس کے باس کے ساتھ ہی گرفتار کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ کرنل اور غزل بھی موجود تھے جو خان کے ساتھ آئے تھے۔

"آپ کو معلوم ہے یہ شخص کون ہے؟" خان کلکٹر سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"یہ ایک بہت معزز آدمی ہے، جسے پروفیسر ڈاکٹر سر جے رامیش کہتے ہیں۔"

"مگر اس کی موت تو تجربے میں واقع ہو گئی تھی۔" بالے نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ محض ڈھونگ تھا۔ بگڑے اور جھلسے ہوئے چہرے سے لاش کی شناخت مشکل تھی۔ وہ اسی کا ایک اسسٹنٹ تھا جس نے اس جیسا لباس پہن رکھا تھا اور کیونکہ یہ ایک قیمتی فوجی راز کا سلسلہ تھا، اس لیے معاملے کو بظاہر ختم کر کے اس کی خفیہ تحقیقات میرے سپرد کی گئی تھی۔ مجھے تب ہی یقین تھا کہ محکمۂ دفاع کے خرچ پر اس تجربے کی تکمیل کرنے کے بعد سر رامیش کے دماغ پر خود غرضی کا بھوت سوار ہو گیا ہے اور وہ فارمولے کے ساتھ اور مع سیکریٹری کے جو اس کی رازدار تھی غائب ہو گیا ہے۔ وہ تو اتفاق سے بالے کو کیلی نظر پڑ گئی، ورنہ شاید اور کچھ دن یہ لوگ ہماری نظروں سے چھپے رہتے۔" خان نے بتایا۔

"تو یہ سر رامیش ہے؟" ایس پی نے کہا۔

"قطعی۔ سوائے اس کے کہ اس کی فرنچ کٹ داڑھی اور مونچھیں صاف ہیں۔ یہ

حضرت ایسے فائنانسر کی تلاش میں تھے جو ان کے تباہ کن ارادوں میں برابر کا شریک ہو سکے اور اتفاقاً فرنانڈیز ان کے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے پاس پیسہ بھی تھا اور کیمیکلز کا کارخانہ بھی جس کی آڑ میں وہ بوتولینم کے ذخائر حاصل کرتا رہا تھا۔ یہ وہی سیاہ شیشے جیسی شے تھی جو بوروں میں بھری پارک ایونیو والی عمارت سے برآمد ہوئی ہے۔ اسے جلا کر بہت تھوڑی سی مقدار میں اس سے بوتولینم حاصل ہوتی ہے۔ یہ اتنی خطرناک زہریلی گیس ہوتی ہے کہ اس کی صرف ۸.۵ اونس کی مقدار پوری نسلِ انسانی کو ختم کر سکتی ہے۔ یہ گیس اسی کی ملاوٹ سے تیار کی گئی تھی، لیکن اس گیس سے حفاظت کی ایک بحث کے سلسلے میں ایک جرمن پروفیسر شرم نے ایک بار ایمونیم سالفیٹ ایکسٹریکٹ کا ذکر کیا تھا اور مجھے اس کے لکچر کا وہ حصہ یاد تھا، چنانچہ میں نے آکسیجن کمپنی سے اسی کے ٹینک تیار کرائے۔ یہ گنز بھی اسی کی ہیں جن سے ان کے ارادے خاک میں ملائے گئے ہیں۔" خان نے بتایا۔

"بھئی آپ کا دم بڑا غنیمت ہے۔ یہ کارنامہ تو ہمیں زندگی بھر یاد رہے گا۔" کلکٹر نے کہا۔

"اور میرا دم؟" بالے بول اٹھا۔ وہ سب ہنس دیے۔

"مگر اس لنگڑے کا تو پتا ہی نہیں، کیا مارا گیا وہ؟" کمشنر نے سوال کیا۔

"اسے میں جب چاہوں گرفتار کر سکتا ہوں۔" خان نے یہ کہہ کر کرنل کی طرف دیکھا ہی تھا کہ کرنل اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور تھا۔

"مجھے گرفتار کرنا مذاق نہیں ہے۔ میرے ساتھیوں کو بھی تم نہیں روک سکتے۔" وہ ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے بولا۔

"بیٹھ جاؤ کرنل، تمہارے ریوالور کی گولیاں میرے پاس ہیں۔" خان نے جیب سے اسے گولیاں نکال کر دکھائیں اور وہ سٹ پٹا گیا۔

"مگر یہ تو آپ کے دوست تھے۔" بالے نے پوچھا۔

"ہاں، مگر اس تجربے کے دنوں یہی سر رامیش کی حفاظت پر فوجی سکریٹری سروس کی طرف سے مامور تھے۔" یہ کہہ کر خان نے جیب سے ہتھکڑی نکالی، بڑی پھرتی سے کرنل کے ہاتھ میں ڈال دی۔ غزل کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"لیکن آپ کو ان پر شک کیسے ہوا؟" ایس پی نے پوچھا۔

"اس دن جب فرنانڈیز کے مکان پر حملہ ہوا۔ میں جب حملہ آور کے پیچھے باہر نکلا تھا تو وہاں کسی کے قدموں کے نشانات برآمدے کے قریب نہ تھے، مگر بعد میں واپسی پر نظر آئے۔ کرنل میرے ساتھ اندر بھی نہیں گئے تھے اور ان کا لنگڑا پن تو میں نے ان کے جوتے میں کیل چھپا کر معلوم کر لیا تھا اور چھڑی بھی۔" خان نے بتایا۔

"لیکن شہر میں بہت سی موتیں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے۔" کمشنر اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ ارے ہاں، ایک اور شرمناک بات یہ بھی ہے۔ یہ محترمہ غزل جو ہیں دراصل کرنل کی محبوبہ اور سر رامیش کی بھتیجی ہیں اور یہ کمبخت انھیں اپنی بیٹی بتایا کرتا تھا۔" خان کے اس انکشاف نے بالے کو چونکا دیا۔

"اور بیچارے شوکت بھائی کا کیا حشر ہوا؟" بالے کو یاد آ گیا۔

"وہ ابھی تک چھت سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ اسے ان محترمہ سے عشق ہو گیا ہے۔" خان بولا۔

"ان سے عشق مجھے بھی ہو جاتا، اگر یہ کرنل کی بیٹی نہ ہوتیں۔" بالے نے کہا۔ اور سب ہنس پڑے، لیکن فوراً بعد ہی انھیں بے شمار انسانوں کی تباہی یاد آ گئی اور ان کے دل گہرے صدمے میں ڈوب گئے۔ یہ بڑا المناک واقعہ تھا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆